زندگانی

امام زین العابدین علیہ السلام

مؤلف

رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ

سید علی الحسینی الخامنہ ای دام ظلہ العالی

ناشر

معراج کمپنی لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب .... زندگانی امام زین العابدین علیہ السلام
مؤلف .... آیت اللہ العظمیٰ سید علی الحسینی الخامنہ ای دام ظلہ العالی
اردو تصحیح .... مجاہد حسین حر
پروف ریڈنگ .... خانم آر چوہدری
کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی۔ 0345-2401125
ناشر .... معراج کمپنی لاہور

ملنے کا پتا

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

042-37361214، 0321-4971214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد: **0333-5234311**

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود و سلام ہو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام ورحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

جب سے ادارہ قائم کیا ایک خواہش تھی کہ آقائی رہبر معظم سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی کتابیں شائع کی جائیں لیکن مصروفیات اور کچھ آقائی موصوف کی کتب کی غیر دستیابی کی بنا پر اس خواہش کی تکمیل میں تاخیر ہوئی۔ لیکن اب الحمد للہ جناب مولانا مجاہد حسین حرؔ صاحب نے رہبر معظم کی کتب فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور انہوں نے خدا کی بارگاہ سے امید ظاہر کی ہے کہ انشاءاللہ سو (١٠٠) سے زائد کتب فراہم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اور ان کی اس سعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

"زندگانیٔ امام زین العابدینؑ" ولی فقیہ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں حضرت امام سجاد علیہ السلام کی شخصیت، کردار اور انداز سیاست کو بیان کیا گیا ہے۔

زیر نظر کتاب کی اشاعت ہمارے لئے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین الٰہی کی نشر و اشاعت کے

لئے کام کررہے ہیں، ہماری دعا ہے اللہ رب العزت تمام امت مسلمہ کو عزت وسربلندی عطا فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی بداخلاقی اور دیگر آفات و بلیات سے محفوظ رکھے اور اپنی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔(آمین)

ادارہ معراج کمپنی شیخ محمد باقر امین صاحب کی دادی مرحومہ کے نام پر قائم کیا گیا ہے۔مومنین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومہ کو اپنی دعاؤں میں یادرکھیں۔

ادارہ

فہرست کتاب

مقدمہ ---------- 7
حادثات زندگی میں ائمہ علیہم السلام کا بنیادی موقف ---------- 10
حکومت اسلامی کی تشکیل ائمہ علیہم السلام کا بنیادی ہدف رہا ہے ---------- 16
امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ ---------- 17
رہائی کے بعد ---------- 22
ماحول ---------- 25
خفیہ تنظیمیں ---------- 27
واقعہ حرہ ---------- 31
اس دور میں امام علیہ السلام کا موقف ---------- 35
امام علیہ السلام کے مقاصد ---------- 39
پہلا کام ---------- 44
دوسرا کام ---------- 44
تیسرا کام ---------- 45
ہم فکر جماعت کی تشکیل ---------- 55
فلسفہ امامت، امام علیہ السلام کی نظر میں ---------- 61

تنظیم کی ضرورت -- 64
درباری علماء پر امام سجاد علیہ السلام کی سخت تنقید ---------------------------------- 69
حدیث گڑھنا ظالموں کی ایک ضرورت ---------------------------------- 71
حدیث گڑھنے کے کچھ نمونے -- 72
محمد زہری کی چند جعلی حدیثیں -- 74
ائمہ علیہم السلام کی تحریک کے تیسرے مرحلہ کے آغاز کی حکمت عملی ----------------------------- 84
ائمہ علیہم السلام کی طرف سے مزاحمت کے چند نمونہ ---------------------------- 86
فرزدق اور یحییٰ کے اعتراضات -- 93
بنی امیہ سرکار کا امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ تعرض ------------------------------ 96

مقدمہ

امام زین العابدین علیہ السلام کی ذات اقدس کو موضوع سخن قرار دینا اور آپ کی سیرت طیبہ پر قلم اٹھانا نہایت ہی دشوار امر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عظیم امام کی معرفت و آشنائی سے متعلق مآخذ و مصادر بہت ہی ناقص اور نامساعد ہیں۔

اکثر محققوں اور سیرت نگاروں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ یہ عظیم ہستی محض ایک گوشہ نشین عابد و زاہد جیسی زندگی گزارتی رہی جس کو سیاست میں ذرہ برابر دلچسپی اور دخل نہ تھا۔ بعض تاریخ نویسوں اور سیرت نگاروں نے تو اس چیز کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ حضرات جنھوں نے صاف صاف وضاحت کے ساتھ یہ بات نہیں کہی انھوں نے بھی امام علیہ السلام کی زندگی سے جو نتائج اخذ کئے ہیں اس سے مختلف نہیں ہیں چنانچہ حضرت علیہ السلام کو دیئے جانے والے القاب اور حضرت علیہ السلام کے سلسلہ میں استعمال کی جانے والی تعبیرات سے یہ بات بہ آسانی درک کی جاسکتی ہے۔

بعض لوگوں نے اس عظیم ہستی کو "بیمار" کے لقب سے یاد کیا ہے جب کہ آپ کی بیماری واقعہ عاشورہ کے ان ہی چند دنوں تک محدود تھی اس کے بعد اس کا سلسلہ باقی نہ رہا، تقریباً سب ہی لوگ اپنی عمر کے ایک حصہ میں بیمار پڑ جاتے ہیں، اگر چہ امام زین العابدین علیہ السلام کی اس بیماری میں الٰہی حکمت و مصلحت بھی کارفرما تھی دراصل پروردگار عالم کو ان دنوں خدا کی راہ میں جہاد و دفاع کی ذمہ داری، آپ پر سے اٹھالینا مقصود تھا تا کہ آئندہ (شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد)

امانت و امامت کا عظیم بار اپنے کاندھوں پر لے سکیں اور اپنے پدر بزرگوار کے بعد چونتیس یا پینتیس برس تک زندہ رہ کر نہایت ہی سخت اور پر آشوب دور طے کر سکیں۔

اگر آپ امام زین العابدین علیہ السلام کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو ہمارے دیگر ائمہ کی طرح یہاں بھی ایک سے ایک نئے نئے قابل توجہ حادثات کا ایک سلسلہ نظر آئے گا لیکن، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ ان تمام واقعات کو اگر یکجا کر بھی لیں تب بھی امام علیہ السلام کی سیرت طیبہ کا سمجھ لینا آپ کے لئے آسان نہ ہوگا۔

کسی کی سیرت کو صحیح معنوں میں سمجھنا یا سمجھانا اسی وقت ممکن ہے جب اس شخصیت کے اصول اور بنیادی موقف کو اچھی طرح درک کر لیا جائے اور پھر اس کی روشنی میں اس کی جزئیات زندگی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔اصل میں جب بنیادی موقف کی وضاحت ہو جاتی ہے جزئیات بھی بے زبان نہیں رہتے ،خود بخود معنی پیدا کر لیتے ہیں۔اس کے برخلاف اگر اصولی موقف ہم پر واضح نہیں ہو سکے ہیں یا کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھے ہیں تو جزئی واقعات بھی یا تو بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں یا پھر ان کو غلط معنی پہنانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اور یہ صرف امام زین العابدین علیہ السلام یا ہمارے دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ اصول ہر شخص کی زندگی کے تجزیہ کے وقت پیش آ سکتا ہے۔

امام سجاد علیہ السلام کے سلسلہ میں نمونہ کے طور پر، محمد بن شہاب زہری کے نام حضرت علیہ السلام کا خط پیش کیا جا سکتا ہے جو آپ کی زندگی کا ایک حادثہ ہے یہ وہ خط ہے جو خاندان نبوت و رسالت کے ایک عظیم فرد کی طرف سے اس دور کے مشہور و معروف دانشور کو لکھا گیا ہے اب اس سلسلہ میں مختلف انداز سے اظہار رائے کی گنجائش ہے ممکن ہے یہ خط کسی اساسی نوعیت کے حامل وسیع سیاسی مبارزکا ایک حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے برے کاموں سے روکنے کی ایک سیدھی سادی نصیحت یا محض ایک شخصیت کا دوسری شخصیت پر کیا جانے والا اسی قسم کا ایک اعتراض ہو جس قسم کے اعتراضات دو شخصیتوں یا کئی شخصیتوں کے مابین تاریخ میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ظاہر ہے

دیگر حادثات وواقعات سے چشم پوشی کر کے صرف اس واقعہ سے کسی صحیح نتیجہ تک کبھی بھی نہیں پہنچا جاسکتا۔ میں اس نکتہ پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہم ان جزئی واقعات کو امام علیہ السلام کے اصولی وبنیادی موقف سے علیحدہ کر کے مطالعہ کرنا چاہیں تو امام سجاد علیہ السلام کی سوانح زندگی ہم پر روشن نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم امام علیہ السلام کے اصولی اور اساسی موقف سے آگاہی حاصل کریں۔

چنانچہ ہماری سب سے پہلی بحث امام زین العابدین علیہ السلام کے بنیادی موقف سے متعلق ہے اوراس کے لئے خود امام علیہ السلام کی زندگی، آپ کے کلمات نیز دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام کی پاکیزہ سیرت وزندگی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے بڑی ہی باریک بینی کے ساتھ نکات درک کر کے بحث کرنا ہوگی۔

حادثات زندگی میں ائمہ علیہم السلام کا بنیادی موقف

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ۴۰ ہجری میں امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد سے کبھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ فقط گھر میں بیٹھے اپنے ادراک کے مطابق احکامات الٰہیہ کی تشریح وتفسیر کرتے رہیں بلکہ صلح کے آغاز ہی سے تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام کا بنیادی موقف اور منصوبہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنے طرز فکر کے مطابق حکومت اسلامی کے لئے راہیں ہموار کریں چنانچہ یہ فکر خود امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی اور کلام میں بطور احسن ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر لی تو بہت سے ناعاقبت اندیش کم فہم افراد نے حضرت علیہ السلام کو مختلف عنوان سے ہدف بنالیا اور اس سلسلہ میں آپ کو مورد الزام قرار دینے کی کوشش کی گئی کبھی تو آپ علیہ السلام کو مومنین کی ذلت ورسوائی کا باعث گردانا گیا اور کبھی یہ کہا گیا: ”آپ نے معاویہ کے مقابلہ پر آمادہ جوش وخروش سے معمور مومنین کی جماعت کو ذلیل وخوار کر دیا معاویہ کے سامنے ان کا سر جھک گیا“۔ بعض اوقات احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ذرا نرم وشائستہ انداز میں بھی یہی بات دہرائی گئی۔

امام علیہ السلام ان تمام اعتراضوں اور زبان درازیوں کے جواب میں انھیں مخاطب کر کے ایک ایسا جامع ومانع جملہ ارشاد فرماتے تھے جو شاید حضرت کے کلام میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ

اور بہتر ہو۔ آپ علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ:

"ما تدری لعله فتنة لکم و متاع الیٰ حین"

تمہیں کیا خبر شائد یہ تمہارے لئے ایک آزمائش اور معاویہ کے لئے ایک عارضی سرمایہ ہو۔

اصل میں یہ جملہ قرآن کریم سے اقتباس کیا گیا ہے۔

اس جملہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت کو مستقبل کا انتظار ہے اور وہ مستقبل اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ امام علیہ السلام کے نظریہ کے مطابق حق سے منحرف موجودہ نا قابل قبول حکومت برطرف کی جائے اور اس جگہ آپ کی پسندیدہ حکومت قائم کی جائے جبھی تو آپ ان لوگوں سے فرماتے ہیں کہ تم فلسفہ صلح سے واقفیت نہیں رکھتے تمہیں کیا معلوم کہ اسی میں مصلحت مضمر ہے۔

آغاز صلح میں ہی عمائدین شیعہ میں سے دو شخصیتیں، مسیب بن نجیہ اور سلیمان بن صرد خزاعی چند مسلمانوں کے ہمراہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئیں اور عرض کیا: ہمارے پاس خراسان وعراق وغیرہ کی خاصی طاقت موجود ہے اور ہم اسے آپ کے اختیار میں دینے کے لئے تیار ہیں اور معاویہ کا شام تک تعاقب کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت علیہ السلام نے ان کو تنہائی میں گفتگو کے لئے طلب کیا اور کچھ بات چیت کی، جب وہ وہاں سے باہر نکلے تو ان کے چہرے پر طمانیت کے آثار ہویدا تھے۔ انھوں نے اپنے فوجی دستوں کو رخصت کر دیا حتیٰ کہ ساتھ آنے والوں کو بھی کوئی واضح جواب نہ دیا۔

طٰہٰ حسین کا خیال ہے:

"دراصل اسی ملاقات میں شیعوں کی تحریک جہاد کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا تھا۔"

یعنی وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے، مشورے ہوئے اور اسی وقت شیعوں کی ایک عظیم تنظیم کی بنا رکھ دی گئی۔

چنانچہ خود امام علیہ السلام کے حالات زندگی اور مقدس ارشادات سے بھی واضح طور پر یہی مفہوم نکلتا ہے۔ اگر چہ یہ زمانہ اس قسم کی تحریک اور سیاسی جدوجہد کے لئے سازگار نہ تھا۔ لوگوں میں سیاسی شعور بے حد کم اور دشمن کے پروپیگنڈوں نیز مالی دادودہش کا بازار گرم تھا۔ دشمن جن طریقوں سے فائدہ اٹھا رہا تھا، امام علیہ السلام اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر بے حساب پیسہ خرچ کرنا اور معاشرہ کے چھٹے ہوئے بدقماش افراد کو اپنے گرد اکٹھا کر لینا امام علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھا۔ ظاہر ہے دشمن کا ہاتھ کھلا ہوا تھا اور امام کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ آپ اخلاق وشریعت کے خلاف کوئی کام انجام نہ دے سکے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام نہایت ہی عمیق، دیرپا اور بنیادی قسم کا تھا۔ دس برس تک حضرت علیہ السلام اسی ماحول میں زندگی بسر کرتے رہے۔ لوگوں کو اپنے قریب کیا اور انھیں تربیت دی۔ کچھ لوگوں نے مختلف گوشہ و کنار میں جام شہادت نوش کر کے معاویہ کی حکومت سے کھل کر مقابلہ کیا اور نتیجہ کے طور پر اس کی مشینری کو کافی کمزور بنایا۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کا زمانہ آیا تو آپ علیہ السلام نے بھی اسی روش پر کام کرتے ہوئے مدینہ، مکہ نیز دیگر مقامات پر اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ معاویہ دنیا سے چلا گیا، اور کربلا کا حادثہ رونما ہوا۔ اگر چہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کربلا کا حادثہ اسلام کے مستقبل کے لئے نہایت ہی مفید اور ثمر آور ثابت ہوا لیکن وقتی طور پر وہ مقصد جس کے لئے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کوشاں تھے کچھ دنوں کے لئے اس میں تاخیر ہو گئی کیونکہ اس حادثہ نے دنیائے اسلام کو رعب و وحشت میں مبتلا کر دیا تھا۔ امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے قریبی رفقاء کو تہ تیغ کر دیا گیا اور دشمن کو تسلط و غلبہ حاصل ہو گیا۔ اگر اقدام امام حسین علیہ السلام اس شکل میں نہ ہوتا اور یہ تحریک طبیعی طور پر جاری رہتی تو یہ بات بعید از امکان نہیں کہ مستقبل قریب میں جدوجہد کچھ ایسا رخ اختیار کر لیتی کہ حکومت کی باگ ڈور شیعوں کے ہاتھ میں آجاتی۔ البتہ یہاں اس گفتگو کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ، امام حسین علیہ السلام کو انقلاب برپا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ اس وقت

حالات نے کروٹ ہی کچھ ایسی بدلی تھی کہ حسینی علیہ السلام انقلاب ناگزیر ہو گیا تھا، اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلام کی بقا کے لئے حسینی علیہ السلام انقلاب بے حد ضروری تھا، لیکن اگر یکا یک حالات یہ رخ اختیار نہ کر لیتے اور امام حسین علیہ السلام اس حادثہ میں شہید نہ ہوئے ہوتے تو شاید جلد ہی مستقبل سے متعلق امام حسن علیہ السلام کا منصوبہ بار آور ہو جاتا۔

چنانچہ یہاں میں ایک روایت نقل کر رہا ہوں جس سے اس بیان کی واضح تائید ہوتی ہے۔ اصول کافی میں ابوحمزہ ثمالی کی ایک روایت امام محمد باقر علیہ السلام سے یوں نقل کی گئی ہے:

سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ ع يَقُولُ يَا ثَابِتُ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى قَدْ كَانَ وَقَّتَ هَذَا الْأَمْرَ فِي السَّبْعِينَ.[1]

"هٰذا الامر" سے مراد حکومت و ولایت اہلبیت علیہم السلام ہے کیونکہ روایت میں ہے، اگر تمام مقامات پر نہ کہا جائے تو اکثر و بیشتر مقامات پر جہاں جہاں بھی ھٰذا الامر کی تعبیر استعمال ہوئی ہے اس سے مقصود اہلبیت علیہم السلام کی حکومت و ولایت ہی ہے اگر چہ بعض موارد میں یہ کلمہ، تحریک اور اقدام کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور وہاں حکومت مراد نہیں ہے۔ بہر حال ھٰذ الامر، یہ موضوع کونسا موضوع؟ وہی جو شیعیان آل محمد علیہم السلام کے درمیان رائج و مرسوم رہا ہے اور جس کے بارے میں برسوں گفتگو ہوتی رہی ہے جس کی تکمیل کی آرزو اور منصوبہ سازی کی جاتی رہی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس روایت میں فرماتے ہیں: خداوند عالم اس امر (یعنی حکومت اہلبیت علیہ السلام) کے لئے ۷۰ ہجری معین کر چکا تھا، اور یہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے دس سال بعد کی تاریخ ہے۔

امام اس کے بعد فرماتے ہیں:

فَلَمَّا أَنْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ اشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ تَعَالَى عَلَى

---

[1] الكافی (ط-الإسلامیة) / ج1 / 368 / باب كراهية التوقيت..... ص: 368

أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَخَّرَهُ إِلَى أَرْبَعِينَ وَمِائَةٍ.[1]

جب امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا، اہل زمین پر خداوند عالم کے غضب میں شدت پیدا ہوگئی اور وہ (تاسیس حکومت کا) وقت ۱۴۰ ہجری تک کے لئے آگے بڑھا دیا گیا۔

یہ تاریخ (۱۴۰ ہجری) امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت سے آٹھ سال قبل کی ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی سوانح حیات کے ذیل میں ہم ۱۴۰ ہجری کی اہمیت کے بارے میں تفصیلی بحث کریں گے، اس سلسلہ میں میرا خیال یہی ہے کہ وہ ولی امر جس کے ذریعہ ایک انقلابی اقدام کے تحت اہلبیت علیہم السلام کا حق واپس ملنا تھا امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہی ذات مبارک ہونی چاہئے تھی مگر اس وقت بنوعباس نے خودخواہی عجلت پسندی، دنیا پرستی اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا اور فرصت بھی اہلبیت علیہم السلام کے ہاتھ سے چھین لی گئی اور وعدہ الٰہی پھر کسی اور وقت کے لئے ٹل گیا۔

روایت کے آخری فقرے یہ ہیں:

فَحَدَّثْنَاكُمْ فَأَذَعْتُمُ الْحَدِيثَ فَكَشَفْتُمْ قِنَاعَ السَّتْرِ وَلَمْ يَجْعَلِ اللهُ لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ وَقْتاً عِنْدَنَا وَيَمْحُوا اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ.[2]

یعنی ہم نے تم لوگوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور تم نے اس کو نشر کر دیا بات پردۂ راز میں نہ رکھ سکے، عوام میں نہ کہا جانے والا راز افشا کر دیا۔ لہٰذا اب خداوند عالم نے اس امر کے لئے کوئی دوسرا وقت معین طور پر قرار نہیں دیا ہے خداوند عالم اوقات کو محو کر دیا کرتا ہے جس چیز کی چاہتا ہے نفی کر دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت کر دکھاتا ہے۔ اور یہ بات ناقابل تردید مسلمات اسلام میں سے ہے کہ مستقبل کے سلسلہ میں جو بات خدا کی جانب سے حتمی قرار دی جا چکی ہے وہ نظر وقدرت الٰہی میں تغیر پذیر نہیں ہے۔

---

[1] الكافی (ط-الإسلامیة)/ ج1/ 368/باب کراهیة التوقیت..... ص: 368

[2] الكافی (ط-الإسلامیة)/ ج1/ 368/باب کراهیة التوقیت..... ص: 368

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں:

فَحَدَّثتُ بِذَلِكَ أَبَا عَبدِ اللهِ علیہ السلام فَقَالَ قَد كَانَ كَذَلِكَ. [1]

میں نے روایت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیان کی جس کو سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں واقعاً اسی طرح ہے۔

اس قسم کی روایتیں بہت ہیں لیکن مذکورہ روایت ان سب میں واضح اور روشن ہے۔

[1] الکافی (ط-الإسلامیة) / ج 1 / 368 / باب کراهیة التوقیت..... ص: 368

حکومت اسلامی کی تشکیل ائمہ علیہم السلام کا بنیادی ہدف رہا ہے

اسلامی حکومت کی تشکیل تمام ائمہ کا مقصد و ہدف رہا ہے، وہ ہمیشہ اسی راہ پر گامزن رہے ہر ایک نے وقت اور حالات کے تحت اس راہ میں اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ چنانچہ جب کربلا کا حادثہ رونما ہوا اور سید الشہداء امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام شہید کر دیئے گئے نیز بیماری کی حالت میں ہی امام سجاد علیہ السلام کو اسیر بنا لیا گیا تو حقیقتاً اسی وقت سے امام سجاد علیہ السلام کی ذمہ داریوں کا آغاز ہو گیا۔ اب تک مستقبل (حکومت اسلامی کی تشکیل) کی جو ذمہ داری امام حسن علیہ السلام اور پھر امام حسین علیہ السلام کے کاندھوں پر تھی وہ امر امام زین العابدین علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا اب آپ علیہ السلام کی ذمہ داری تھی کہ اس مہم کو آگے بڑھائیں اور پھر آپ علیہ السلام کے بعد دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنے اپنے دور میں اس مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں

لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام کی پوری زندگی کا اسی روشنی میں جائزہ لیں۔ اس بنیادی مقصد اور اصل موقف کو تلاش کریں ہمیں بلا کسی شک وشبہ کے یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ امام زین العابدین علیہ السلام بھی اسی الٰہی مقصد کی تکمیل میں کوشاں تھے جس کے لئے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سعی وکوشش فرمارہے تھے۔

امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ

امام زین العابدین علیہ السلام نے ۶۱ ھ میں عاشور کے دن امامت کی عظیم ذمہ داریاں اپنے کاندھوں پر سنبھال لیں اور ۹۴ ہجری میں آپ کو زہر سے شہید کر دیا گیا۔اس پورے عرصے میں آپ علیہ السلام اسی مقصد کی تکمیل کے لئے کوشاں رہے اب آپ مذکورہ نقطہ نگاہ کی روشنی میں حضرت علیہ السلام کی جزئیات زندگی کا جائزہ لیجئے کہ آپ علیہ السلام اس ذیل میں کن مراحل سے گزرتے رہے کیا طریقہ کار اپنائے اور پھر کس حد تک کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

وہ تمام ارشادات جو آپ علیہ السلام کے دہن مبارک سے جاری ہوئے، وہ اعمال جو آپ علیہ السلام نے انجام دیئے وہ دعائیں جو لب مبارک تک آئیں وہ مناجاتیں اور راز و نیاز کی باتیں جو آج صحیفہ کاملہ کی شکل میں موجود ہیں ان سب کی امام علیہ السلام کے اسی بنیادی موقف کی روشنی میں تفسیر و تعبیر کی جانی چاہیئے چنانچہ اس پورے دور امامت میں مختلف موقعوں پر حضرت علیہ السلام کے موقف اور فیصلوں کو بھی اسی عنوان سے دیکھنا چاہیئے مثال کے طور پر-------------:

۱۔اسیری کے دوران کوفہ میں عبید اللہ ابن زیاد اور پھر شام میں یزید پلید کے مقابلہ میں آپ علیہ السلام کا موقف جو شجاعت و فدا کاری سے بھرا ہوا تھا۔

۲۔مسرف بن عقبہ کے مقابلہ میں --جس کو یزید نے اپنی حکومت کے تیسرے سال مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تباہی اور اموال مسلمین کی غارت گری پر مامور کیا تھا -- امام علیہ السلام کا

موقف نہایت ہی نرم تھا۔

۳۔عبدالملک بن مروان جس کو خلفائے بنوامیہ میں طاقتور ترین اور چالاک ترین خلیفہ شمار کیا جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں امام علیہ السلام کا موقف کبھی تو بہت ہی سخت اور کبھی بہت ہی نرم نظر آتا ہے--------

اسی طرح--------

۴۔عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ آپ کا برتاؤ۔

۵۔اپنے اصحاب اور رفقاء کے ساتھ آپ علیہ السلام کا سلوک اور دوستانہ نصیحتیں۔

اور

۶۔ظالم و جابر حکومت اور اس کے عملے سے وابستہ درباری علماء کے ساتھ امام علیہ السلام کا رویہ؟

ان تمام موقفوں اور اقدامات کا بڑی باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس بنیادی موقف کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام جزئیات و حوادث کا جائزہ لیا جائے تو بڑے ہی معنی خیز حقائق سامنے آئیں گے۔ چنانچہ اگر اسی زاویہ سے امام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو یہ عظیم ہستی ایک ایسا انسان نظر آئے گی جو اس روئے زمین پر خداوند وحدہ لاشریک کی حکومت قائم کرنے اور اسلام کو اس کی اصل شکل میں نافذ کرنے کو ہی اپنا مقدس مقصد سمجھتے ہوئے اپنی تمام تر کوشش و کاوش بروئے کار لاتا رہا ہے اور جس نے پختہ ترین اور کارآمد ترین کارگردگی سے بہرہ مند ہو کر نہ صرف یہ کہ اسلامی قافلہ کو اس پراگندگی اور پریشاں حالی سے نجات دلائی ہے جو واقعہ عاشور کے بعد دنیائے اسلام پر مسلط ہو چکی تھی بلکہ قابل دید حد تک اس کو آگے بھی بڑھایا ہے۔ دو اہم اور بنیادی فریضے جو ہمارے تمام ائمہ علیہم السلام کو سونپے گئے تھے (ہم ابھی ان کی طرف اشارہ کریں گے) ان کو امام سجاد علیہ السلام نے بڑی خوش اسلوبی سے جامۂ عمل پہنایا ہے۔ آپ علیہ السلام پوری سیاسی بصیرت اور شجاعت و شہامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے

نہایت ہی احتیاط اور باریک بینی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے یہاں تک کہ تقریباً ۳۵ سال کی انتھک جد و جہد اور الٰہی نمایندگی کی عظیم ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد آپ علیہ السلام سرفراز و سربلند اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے بعد امامت و ولایت کا عظیم بار اپنے فرزند و جانشین امام محمد باقر علیہ السلام کے سپرد فرما دیئے۔

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام کو منصب امامت اور حکومت اسلامی کی تشکیل کی ذمہ داریوں کا سونپا جانا روایات میں بڑے ہی واضح الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ایک روایت کے مطابق امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو جمع کیا اور محمد بن علی علیہ السلام یعنی امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ صندوق اور یہ اسلحہ سنبھالو یہ تمہارے ہاتھوں میں امانت ہے"

اور جب صندوق کھولا گیا تو اس میں قرآن اور کتاب تھی۔

میرے خیال میں اسلحہ سے، انقلابی قیادت و رہبری کی طرف اشارہ،اور قرآن و کتاب،اسلامی افکار ونظریات کی علامت ہے

اور یہ چیزیں امام علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے امام کی تحویل میں دے کر نہایت ہی اطمینان وسکون کے ساتھ آگاہ و بیدار انسانوں اور خداوند عالم کی نظر میں سرفراز وسرخ رو اس دنیا کو خیرباد کہا ہے۔

یہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی حیات طیبہ کا ایک مجموعی خاکہ ہے اب اگر ہم تمام جزئیات زندگی کا تفصیلی جائزہ لینا چاہیں تو صورت حال کو پہلے سے مشخص کر لینا چاہئے۔

حضرت علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں ایک مختصر سا دور وہ بھی ہے جس کو منارہ زندگی سے تعبیر کرنا غلط نہ ہوگا۔میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے اسی کا ذکر کروں اور پھر امام کی معمول کے تحت عادی زندگی،اس زمانہ کے حالات وکوائف اور ان کے تقاضوں کی تشریح کروں گا۔

دراصل امام علیہ السلام کی زندگی کا وہ مختصر اور تاریخ ساز دور،معرکہ کربلا کے بعد آپ علیہ السلام کی

اسیری کا زمانہ ہے جو مدت کے اعتبار سے مختصر لیکن واقعات وحالات کے اعتبار سے نہایت ہی ہیجان اور وسبق آموز ہے جہاں اسیری کے بعد بھی آپ کا موقف بہت ہی سخت اور مزاحمت آمیز رہتا ہے۔ بیمار اور قید ہونے کے باوجود کسی عظیم مرد مجاہد کے مانند اپنے قول وفعل کے ذریعہ شجاعت و دلیری کے بہترین نمونہ پیش کئے ہیں۔ اس دوران امام کا طرز عمل حضرت علیہ السلام کی بقیہ عام زندگی سے -- جیسا کہ آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے -- بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ امام علیہ السلام کی زندگی کے اصلی دور میں آپ علیہ السلام کی حکمت عملی مستحکم بنیاد پر بڑے ہی جچے تلے انداز میں نرم روی کے ساتھ اپنے مقصد کی طرف آگے بڑھنا ہے حتی کہ بعض وقت عبد الملک بن مروان کے ساتھ نہ صرف ایک محفل میں بیٹھے ہوئے نظر آئے ہیں بلکہ اس کے ساتھ آپ علیہ السلام کا رویہ بھی نرم نظر آتا ہے جب کہ اس مختصر مدت (ایام اسیری) میں امام علیہ السلام کے اقدامات بالکل کسی پر جوش انقلابی کے مانند نظر آتے ہیں جس کے لئے کوئی معمولی سی بات بھی برداشت کر لینا ممکن نہیں ہے لوگوں کے سامنے بلکہ بھرے مجمع میں بھی مغرور وبا اقتدار دشمن کا دندان شکن جواب دینے میں کسی طرح کا تأمل نہیں کرتے۔

کوفہ کا درندہ صفت خونخوار حاکم، عبد اللہ ابن زیاد جس کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے جو فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعوان وانصار کا خون بہا کر مست ومغرور اور کامیابی کے نشہ میں بالکل چور ہے اس کے مقابلہ میں حضرت علیہ السلام ایسا بے باک اور سخت لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں کہ ابن زیاد آپ علیہ السلام کے قتل کا حکم جاری کر دیتا ہے چنانچہ اگر جناب زینب سلام اللہ علیہا ڈھال کی مانند آپ علیہ السلام کے سامنے آ کر یہ نہ کہتیں کہ میں اپنے جیتے جی ایسا ہرگز نہ ہونے دوں گی اور ایک عورت کے قتل کا مسئلہ درپیش نہ آتا نیز یہ کہ قیدی کے طور پر دربار شام میں حاضر کرنا مقصود نہ ہوتا تو عجب نہیں ابن زیاد امام زین العابدین علیہ السلام کے خون سے بھی اپنے ہاتھ رنگین کر لیتا۔

بازار کوفہ میں آپ علیہ السلام اپنی پھوپھی جناب زینت سلام اللہ علیہا اور اپنی بہن جناب سکینہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ ہم صدا ہو کر تقریر کرتے ہیں لوگوں میں جوش وخروش پیدا کرتے ہیں اور

حقیقتوں کا انکشاف کر دیتے ہیں۔

اسی طرح شام میں چاہے وہ یزید کا دربار ہو یا مسجد میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم، بڑے ہی واضح الفاظ میں دشمن کی سازشوں سے پردہ اٹھا کر حقائق کا برملا اظہار کرتے رہتے ہیں چنانچہ حضرت علیہ السلام کے ان تمام خطبوں اور تقریروں میں اہلبیت علیہم السلام کی حقانیت، خلافت کے سلسلہ میں ان کا استحقاق اور موجودہ حکومت کے جرائم اور ظلم و زیادتی کا پردہ چاک کرتے ہوئے نہایت ہی تلخ اور درشت لب و لہجہ میں غافل و ناآگاہ عوام کو جھنجوڑنے اور بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہاں ان خطبوں کو نقل کر کے امام علیہ السلام کے فقروں کی گہرائی پیش کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ یہ خود ایک مستقل کام ہے اور اگر کوئی شخص ان خطبوں کی تشریح و تفسیر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان بنیادی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ایک لفظ کی تحقیق اور چھان بین کرے۔ یہ ہے امام علیہ السلام کی اسارت اور قید و بند کی زندگی جو جرأت و ہمت اور شجاعت و دلاوری سے معمور نظر آتی ہے۔

رہائی کے بعد

ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جن کے پیش نظر امام علیہ السلام کے موقف میں ایسی تبدیلی پیدا ہوگئی کہ اب قید سے چھوٹ کر آپ نہایت ہی نرم روی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں تقیہ سے کام لیتے ہیں۔ اپنے تیز وتند انقلابی اقدامات پر دعا اور نرم روی کا پردہ ڈال دیتے ہیں تمام امور بڑی خاموشی کے ساتھ انجام دیتے ہیں جب کہ قید و بند کے عالم میں آپ نے ایسے دلیرانہ عزائم کا اظہار اور مخاصمت آمیز اقدام فرمایا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک استثنائی دور تھا یہاں جناب امام سجاد علیہ السلام کو فرائض امامت کی ادائیگی اور حکومت الٰہی و اسلامی کی تشکیل کے لئے مواقع فراہمی کے ساتھ ہی ساتھ عاشور کو بہنے والے بے گناہوں کے خون کی ترجمانی بھی کرنی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں حضرت سجاد علیہ السلام کے دہن میں ان کی اپنی زبان نہ تھی بلکہ شمشیر سے خاموش کر دی جانے والی حسین علیہ السلام کی زبان اس وقت کوفہ و شام کی منزلوں سے گزرنے والے اس انقلابی جوان کو ودیعت کر دی گئی تھی۔

چنانچہ اگر اس منزل میں امام زین العابدین علیہ السلام خاموش رہ جاتے اور اس جرأت و ہمت اور جواں مردی و بیباکی کے ساتھ حقائق کی وضاحت کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نہ کر دیئے ہوتے تو آئندہ آپ علیہ السلام کے مقاصد کی تکمیل کی تمام راہیں مسدود ہو کر رہ جاتیں کیونکہ یہ امام حسین علیہ السلام کا جوش مارتا ہوا خون ہی تھا جس نے نہ صرف آپ علیہ السلام کے لئے میدان ہموار کر

دیا بلکہ تاریخ تشیع میں جتنی بھی انقلابی تحریکیں بر پا ہوئی ہیں ان سب میں خون حسین علیہ السلام کی گرمی شامل نظر آتی ہے چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام سب سے پہلے لوگوں کو موجودہ صورت حال سے خبردار کردینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ آئندہ اپنے اسی عمل کے پرتو میں بنیادی واصولی، عمیق ومتین طولانی مخالفتوں کا سلسلہ شروع کرسکیں اور ظاہر ہے تیز وتند زبان استعمال کئے بغیر لوگوں کو متنبہ اور ہوشیار کرنا ممکن نہ ہوتا۔

اس قید و بند کے سفر میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا کردار جناب زینت سلام اللہ علیہا کے کردار سے بالکل ہم آہنگ ہے دونوں کا مقصد حسینی انقلاب اور پیغامات کی تبلیغ واشاعت ہے اگر لوگ اس بات سے واقف ہوجائیں کہ حسین علیہ السلام قتل کردیئے گئے، کیوں قتل کردیئے گئے؟ اور کس طرح قتل کئے گئے تو آئندہ اسلام اور اہلبیت علیہم السلام کی دعوت ایک نیا رنگ اختیار کرلے گی لیکن اگر عوام ان حقیقتوں سے ناواقف رہ گئے تو انداز کچھ اور ہوگا۔

لہٰذا معاشرہ میں ان حقائق کو عام کردینے اور صحیح طور پر حسینی علیہ السلام انقلاب کو پہنچوانے کے لئے اپنا تمام سرمایہ بروئے کار لاکر جہاں تک ممکن ہوسکے اس کام کو انجام دینا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت سید سجاد علیہ السلام کا وجود بھی جناب سکینہ سلام اللہ علیہا، جناب فاطمہ صغریٰ سلام اللہ علیہا، خود جناب زینب سلام اللہ علیہا بلکہ ایک ایک قیدی کے مانند (اپنی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے) اپنے اندر ایک پیغام لئے ہوئے ہے۔ ضروری تھا کہ یہ تمام انقلابی قوتیں مجتمع ہوکر غربت وبیکسی میں بہا دیئے جانے والے حسینی علیہ السلام خون کی سرخی کربلا سے لے کر مدینہ تک تمام بڑے بڑے اسلامی مراکز میں پھیلا دیں۔

جس وقت امام سجاد علیہ السلام مدینہ میں وارد ہوں لوگوں کی بے چین ومتجسس سوالی نگاہوں، چہروں اور زبانوں کے جواب میں آپ علیہ السلام ان کے سامنے حقائق بیان کریں اور یہ امام کی آئندہ مہم کا نقشہ اول ہے۔ اسی لئے ہم نے امام زین العابدین علیہ السلام کے اس مختصر دور حیات کو ایک استثنائی دور سے تعبیر کیا ہے۔

اس مہم کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب آپ علیہ السلام مدینہ رسولؐ میں ایک محترم شہری کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کرتے ہیں اور اپنا کام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر اور آپ علیہ السلام کے حرم (مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آغاز کرتے ہیں۔ حضرت امام سجاد علیہ السلام کے آئندہ موقف اور طریقہ کار کو سمجھنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی حالت و کیفیت اور اس کے تقاضوں پر بھی ایک تحقیقی نظر ڈال لی جائے چنانچہ اس موضوع پر آگے روشنی ڈالیں گے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی تحریک کس طرح شروع کی، آپ علیہ السلام کا مقصد اور طریقہ کار کیا تھا ان تمام باتوں کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت کی حکمراں سیاسی مشینری سے بیزار و متنفر مخالفین کے مجموعی حالات اور بنی امیہ کے بارہ میں ان کے خیالات ساتھ ہی ساتھ اہلبیت کی کلی صورت حال پر ایک نظر ڈال لی جائے اور یہ امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا ایک مستقل باب ہے چنانچہ اگر تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو ممکن ہوئی تو امام علیہ السلام کی زندگی سے متعلق بہت سی مشکلات اور الجھنیں حل ہو جائیں گی۔ اور بعد اس کے حضرت علیہ السلام کی طرف سے کئے جانے والے اقدامات کی خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے گی (البتہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس حد تک تفصیل میں جانا ہمارے لئے ممکن ہوگا)

ماحول

جب عاشور کا المناک حادثہ رونما ہوا، پوری اسلامی دنیا میں جہاں جہاں بھی یہ خبر پہنچی خصوصاً عراق اور حجاز میں مقیم ائمہ علیہم السلام کے شیعوں اور طرفداروں میں ایک عجیب رعب و وحشت کی فضا پیدا ہوگئی کیونکہ یہ محسوس کیا جانے لگا کہ یزیدی حکومت اپنی حاکمیت کو مسلط کرنے کے لئے کچھ بھی کرسکتی ہے حتیٰ اس کو عالم اسلام کی جانی پہچانی عظیم، مقدس اور معتبر ترین ہستی فرزند رسول حسین ابن علی علیہما السلام کو بے دردی کے ساتھ قتل کرنے میں بھی کسی طرح کا کوئی دریغ نہیں ہے۔ اور اس رعب و وحشت میں جس کے آثار کوفہ و مدینہ میں کچھ زیادہ ہی نمایاں تھے، جو کچھ کمی رہ گئی تھی وہ بھی اس وقت پوری ہوگئی جب کچھ ہی عرصہ بعد بعض دوسرے لرزہ خیز حوادث رونما ہوئے جن میں سرفہرست واقعہ "حرہ" ہے۔

اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے زیر اثر علاقوں یعنی حجاز (خصوصاً مدینہ) اور عراق (خصوصاً کوفہ) میں بڑا ہی گھٹن کا ماحول پیدا ہوگیا تھا تعلقات و ارتباطات کافی کمزور ہو چکے تھے۔ وہ لوگ جو ائمہ طاہرین علیہم السلام کے طرفدار تھے اور بنو امیہ کی خلافت و حکومت کے زبردست مخالفین میں شمار ہوتے تھے بڑی ہی کسمپرسی اور شک و شبہ کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت علیہ السلام گزشتہ ائمہ کے دور کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ارْتَدَّ النَّاسُ بَعْدَ الْحُسَیْنِ علیہ السلام إِلَّا ثَلَاثَةً۔[۱]

یعنی امام حسین علیہ السلام کے بعد تین افراد کے علاوہ سارے لوگ مرتد ہو گئے، ایک روایت میں پانچ افراداور بعض دوسری روایتوں میں سات افراد تک کا ذکر ملتا ہے۔

ایک روایت جو خود امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے اور جس کے راوی ابوعمر مہدی ہیں امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَا بِمَكَّةَ وَ الْمَدِينَةِ عِشْرُونَ رَجُلًا يُحِبُّنَا.[۲]

پورے مکہ ومدینہ میں بیس افراد بھی ایسے نہیں ہیں جو ہم سے محبت کرتے ہوں۔

ہم نے یہ دونوں حدیثیں اس لئے نقل کی ہیں کہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام اوران کے طرفداروں کے بارے میں عالم اسلام کی مجموعی صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکے۔دراصل اس وقت ایسی خوف وہراس کی فضا پیدا ہوگئی تھی کہ ائمہ علیہم السلام کے طرفدار متفرق و پراگندہ مایوس ومرعوب زندگی گزار رہے تھے اور کسی طرح کی اجتماعی تحریک ممکن نہ تھی۔البتہ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام مذکورہ بالا روایات میں ارشادفرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ لَحِقُوا وَ كَثُرُوا.[۳]

پھر آہستہ آہستہ لوگ اہل بیتؑ سے ملحق ہوتے گئے اور تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

---

[۱] بحار الأنوار (ط - بيروت) / ج46 / 144 / باب 8 أحوال أهل زمانه من الخلفاء و غيرهم و ما جرى بينه ع و بينهم و أحوال أصحابه و خدمه و مواليه و مداحيه صلوات الله عليه ..... ص: 115

[۲] بحار الأنوار (ط - بيروت) / ج34 / 297 / [الباب الرابع و الثلاثون] باب فيه ذكر أصحاب النبي صلى الله عليه و آله و أمير المؤمنين عليه السلام الذين كانوا على الحق و لم يفارقوا أمير المؤمنين عليه السلام و ذكر بعض المخالفين و المنافقين زائدا على ما أوردنا[ه] في كتاب أحوال النبي صلى الله عليه و ..... ص: 271

[۳] الإختصاص / النص / 64 / خزيمة بن ثابت ..... ص: 64

خفیہ تنظیم

اگر یہی مسئلہ جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ: کربلا کا عظیم سانحہ رونما ہونے کے بعد اگر چہ لوگوں کی خاصی تعداد رعب و وحشت میں گرفتار ہوگئی تھی پھر بھی خوف و ہراس اتنا غالب نہ تھا کہ شیعیان اہلبیت علیہم السلام کی پوری تنظیم یکسر درہم برہم ہو کر رہ گئی ہو جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت اسیران کربلا کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں وارد ہوتا ہے کچھ ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو شیعہ تنظیموں کے وجود کا پتہ دیتے ہیں۔

البتہ یہاں ہم نے جو شیعوں کی خفیہ تنظیم، کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے یہ غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہئے کہ یہاں ہماری مراد موجودہ زمانہ کی طرح سیاسی تنظیموں کی کوئی باقاعدہ منظم شکل ہے بلکہ ہمارا مقصد وہ اعتقادی روابط ہیں جو لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ایک مضبوطی کے ساتھ دھاگے میں پرو دیتے ہیں اور پھر لوگوں میں جذبۂ فداکاری پیدا کر کے خفیہ سرگرمی پر اکساتی ہے اور نتیجہ کے طور پر انسانی ذہن میں ایک ہم فکر جماعت کا تصور پیدا ہو جاتا ہے۔

ان ہی دنوں جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کوفہ میں اسیر تھی ایک رات اسی جگہ جہاں ان کو قید رکھا گیا تھا، ایک پتھر آ کر گرا، اہلبیت علیہم السلام اس پتھر کی طرف متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کے ساتھ منسلک تھا جس پر کچھ اس طرح کی عبارت تحریر تھی، کوفہ کے حاکم نے ایک شخص کو یزید کے پاس (شام) روانہ کیا ہے تا کہ آپ کے حالات سے اس کو باخبر کرے

نیز آئندہ کے بارہ میں اس کا فیصلہ معلوم کرے اب اگر کل رات تک (مثلاً) آپ کو تکبیر کی آواز سنائی دے تو سمجھ لیجئے کہ آپ کو یہیں قتل کر دینے کا فیصلہ ہوا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سمجھئے گا کہ حالات کچھ بہتر ہیں۔ [1]

جس وقت ہم یہ واقعہ سنتے ہیں تو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس تنظیم کے دوستوں یا ممبروں میں سے کوئی شخص ابن زیاد کے دربار میں موجود رہا ہوگا جس کو تمام حالات کی خبر تھی اور قید خانہ تک رسائی بھی رکھتا تھا حتی کہ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ قیدیوں کے سلسلہ میں کیا فیصلہ اور منصوبے تیار کئے جا رہے ہیں اور صدائے تکبیر کے ذریعہ اہلبیت علیہم السلام کو حالات سے باخبر کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس شدت عمل کے ساتھ ساتھ جو وجود میں آچکی تھی اس طرح کی چیزیں بھی دیکھی جا سکتی تھیں۔

اس طرح کی ایک مثال عبداللہ بن عفیف ازدی کی ہے جو ایک مرد نابینا ہیں اور اسیران کربلا کے کوفہ میں ورود کے موقع پر ہی شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر انھیں بھی جام شہادت نوش کرنا پڑتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس قسم کے افراد کیا کوفہ اور کیا شام ہر جگہ مل جاتے ہیں جو قیدیوں کی حالت دیکھ کر ان سے محبت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں اور صرف آنسو بہانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کی نسبت ملامت کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں (حتی کہ اس قسم کے واقعات دربار یزید اور ابن زیاد کی بزم میں پیش آتے رہے ہیں)۔

لہٰذا اگرچہ واقعہ کربلا کے بعد نہایت ہی شدید قسم کا خوف عوام وخواص پر طاری ہو چکا تھا پھر بھی ابھی اس نے وہ نوعیت اختیار نہیں کی تھی کہ شیعیان آل محمد علیہم السلام کی تمام سرگرمیاں بالکل ہی مفلوج ہوگئی ہوں اور وہ ضعف و پراگندگی کا شکار ہو گئے ہوں لیکن کچھ ہی دنوں بعد ایک دوسرا واقعہ کچھ اس قسم کا رونما ہوا جس نے ماحول میں کچھ اور گھٹن کا اضافہ کر دیا۔ اور یہیں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث "ارْتَدَّ النَّاسُ بَعْدَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَام" کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے امام علیہ السلام

---

[1] یہ واقعہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں نقل کیا ہے۔

نے غالباً اسی واقعہ کے دوران یا اس کے بعد کے حالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے یا ممکن ہے یہ بات اس درمیانی وقفہ سے متعلق ارشاد فرمائی ہو جوان کے مابین گزرا ہے۔

ان چند برسوں کے دوران [اس عظیم حادثہ کے رونما ہونے سے پہلے] شیعہ اپنے امور کو منظم کرنے اور اپنے درمیان پہلی سی ہم آہنگی دوبارہ واپس لانے میں لگے ہوئے تھے۔اس مقام پر طبری اپنے تأثرات کا یوں اظہار کرتا ہے:

فما زالوا فی جمع آلة الحرب والاستعداد للقتال.[1]

یعنی وہ لوگ (مراد گروہ شیعہ) جنگی ساز وسامان اکٹھا کرنے نیز خود کو جنگ کے لئے آمادہ کرنے میں لگے ہوئے تھے چپکے چپکے شیعوں اور غیر شیعوں کو حسین ابن علی علیہما السلام کے خون کا انتقام لینے پر تیار کر رہے تھے اور لوگ گروہ در گروہ ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ان میں شمولیت اختیار کر رہے تھے اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا یہاں تک کہ یزید ابن معاویہ واصل جہنم ہو گیا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں باوجود اس کے کہ ماحول میں گھٹن اور سراسیمگی بہت زیادہ پائی جاتی تھی پھر بھی اس طرح کی سرگرمیاں اپنی جگہ پر جاری تھیں (جیسا کہ طبری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے) اور شاید یہی وہ وجہ تھی جس کی بنیاد پر" جہاد الشیعہ " کا مؤلف اگر چہ شیعہ نہیں ہے اور امام زین العابدین علیہ السلام کے سلسلہ میں صحیح اور مطابق واقع نظریات نہیں رکھتا پھر بھی وہ اس حقیقت کو درک کر لیتا ہے اور اپنے احساسات کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ:

" گروہ شیعہ نے حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد خود کو با قاعدہ تنظیم کی صورت میں منظم کر لیا، ان کے اعتقادات اور سیاسی روابط انھیں آپس میں مربوط کرتے تھے۔ان کی جماعتیں اور قائد تھے۔اسی طرح وہ فوجی طاقت کے بھی مالک تھے چنانچہ توابین کی جماعت اس تنظیم کی

---

[1] بحوالہ بحار الأنوار (ط - بيروت) / ج45 / 356 / باب 49 أحوال المختار بن أبي عبيد الثقفي وما جرى على يديه وأيدي أوليائه ..... ص: 332

سب سے پہلی مظہر ہے"

ان حقائق کے پیش نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عاشور کے عظیم حادثہ کے زیر اثر اگر چہ بڑی حد تک شیعہ تنظیمیں ضعف و کمزوری کا شکار ہوگئی تھیں پھر بھی اس دوران شیعہ تحریکیں اپنی ناتوانی کے باوجود مصروف عمل رہیں جس کے نتیجہ میں پہلے کی طرح دوبارہ خود کو منظم کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ یہاں تک کہ واقعہ حرہ پیش آیا۔ اور میں سمجھتا ہوں واقعہ حرہ تاریخ تشیع میں نہایت اہم موڑ ہے۔ دراصل یہی وہ واقعہ ہے جس نے شیعہ تحریک پر بڑی کاری ضرب لگائی ہے۔

واقعہ حرہ

حرہ کا واقعہ تقریباً ۶۳ ھ میں پیش آیا۔ مختصر طور پر اس حادثہ کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں کہ ۶۳ ہجری میں بنو امیہ کا کم تجربہ کار نوجوان مدینہ کا حاکم مقرر ہوا اس نے خیال کیا کہ شیعیان مدینہ کا دل جیتنے کے لئے بہتر ہوگا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو شام جا کر یزید سے ملاقات کرنے کی دعوت دی جائے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا مدینہ کے چند سر برآوردہ افراد، اصحاب نیز دیگر معززین سے منتخب کئے جس میں اکثریت امام زین العابدین علیہ السلام کے عقیدت مندوں میں شمار ہوتے تھے ان لوگوں کو شام جانے کی دعوت دی گئی کہ وہ جائیں اور یزید کے لطف و کرم کو دیکھ کر اس سے مانوس ہو جائیں اور اس طرح اختلافات میں کمی واقع ہو جائے۔ یہ لوگ شام گئے اور یزید سے ملاقات کی چند دن اس کے مہمان رہے ان لوگوں کی خوب پذیرائی کی گئی اور رخصت ہوتے وقت یزید نے ہر ایک کو کافی بڑی رقم (تقریباً پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ درہم تک) سے نوازا لیکن جیسے ہی یہ لوگ مدینہ واپس پہنچے، چونکہ یزیدی دربار میں پیش آنے والے المیے انھوں نے اپنی نظروں سے خود دیکھ لئے تھے لہٰذا خوب کھل کر یزید کو مورد تنقید قرار دیا اور نتیجہ بالکل ہی برعکس ظاہر ہوا ان لوگوں نے یزید کی تعریف و توصیف کرنے کے بجائے ہر خاص و عام کو اس کے جرائم سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

لوگوں سے کہا: یزید کو کس بنیاد پر خلیفہ تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ شراب و کباب میں غرق رہنا اور کتوں سے کھیلنا اس کا بہترین مشغلہ ہے۔ کوئی فسق و فجور ایسا نہیں ہے جو اس کے

یہاں نہ پایا جاتا ہو۔لہٰذا ہم اس کو خلافت سے معزول کرتے ہیں۔

عبداللہ بن حنظلہ [1] جو مدینہ کی نمایاں اور محبوب شخصیتوں میں سے تھے یزید کے خلاف آواز بلند کرنے والوں میں پیش پیش تھے ان لوگوں نے یزید کو معزول کر کے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی شروع کردی۔

اس اقدام کا نتیجہ یزید کی طرف سے براہ راست ردعمل کی صورت میں ظاہر ہوا اس نے اپنے ایک تجربہ کار پیر فرتوت سردار، مسلم بن عقبہ کو چند مخصوص لشکریوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا کہ وہ اس فتنہ کو خاموش کردے۔مسلم بن عقبہ مدینہ آیا اور چند روز تک اہل مدینہ کی قوت مقابلہ کو پست کرنے کے لئے شہر کا محاصرہ کئے رہا یہاں تک کہ ایک دن شہر میں داخل ہوا اور اس قدر قتل و غارت گری مچائی اور اس قدر ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا کہ تاریخ اسلام میں وہ آپ اپنی مثال ہے۔

اس نے مدینہ میں کچھ ایسا ہی قتل و غارت گری اور ظلم و زیادتی کا بازار گرم کیا تھا کہ اس واقعہ کے بعد اس کا لقب ہی مسرف پڑ گیا اور لوگ اس کو" مسرف بن عقبہ" کے نام سے پکارنے لگے۔حادثہ حرہ سے متعلق واقعات کی فہرست کافی طویل ہے اور میں زیادہ تشریح میں جانا نہیں چاہتا صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ یہ واقعہ تمام مسلمانوں خصوصاً اہلبیت علیہم السلام کے دوستوں اور ہمنواؤں میں بے پناہ خوف و ہراس پیدا کرنے کا سبب بنا، خاص طور پر مدینہ تقریباً خالی ہوگیا کچھ لوگ بھاگ گئے کچھ لوگ مار ڈالے گئے اہلبیت علیہم السلام کے کچھ مخلص و ہمدرد مثال کے طور پر عبداللہ ابن حنظلہ جیسے لوگ شہید کردیئے گئے اور ان کی جگہ خالی ہوگئی۔اس حادثہ کی خبر پوری اسلامی دنیا میں پھیل گئی اور سب سمجھ گئے کہ اس قسم کی ہر تحریک کا سدباب کرنے کے لئے حکومت

---

[1] حنظلہ ہی وہ نوجوان ہیں جو قبل اس کے کہ ان کی شب عروسی تمام ہو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوج میں آکر شامل ہوگئے اور میدان احد میں شہادت کا جام نوش فرمایا اور ملائکہ نے ان کو غسل دیا اسی لئے یہ حنظلہ غسیل الملائکہ کے نام سے معروف ہوئے۔

پوری طرح آمادہ ہے اور کسی طرح کے اقدام کی اجازت دینے کو ہرگز تیار نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک اور حادثہ -- جو مزید شیعوں کی سرکوبی اور ضعف کا سبب بنا -- جناب مختار ثقفی کی کوفہ میں شہادت اور پورے عالم اسلام پر عبد الملک بن مروان کے تسلط کی صورت میں ظاہر ہوا۔

یزید کی موت کے بعد جو خلفاء آئے ہیں ان میں اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید ہے جو تین ماہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔ اس کے بعد مروان بن حکم کے ہاتھ میں اقتدار آیا اور تقریباً دو سال یا اس سے کچھ کم اس نے حکومت کی اور پھر خلافت کی باگ ڈور عبد الملک بن مروان کے ہاتھ میں آ گئی جس کے لئے مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ خلفائے بنو امیہ میں زیرک ترین خلیفہ رہا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ:

"کان عبد الملك اشدهم شکیبه و اقساهم عزیمه"

عبد الملک پورے عالم اسلام کو اپنی مٹھی میں جکڑ لینے میں کامیاب ہو گیا اور خوف و دہشت سے معمور عامرانہ حکومت قائم کر دی۔

حکومت پر مکمل تسلط حاصل کرنے کے لئے عبد الملک کے سامنے صرف ایک راہ تھی اور وہ یہ کہ اپنے تمام رقیبوں کا صفایا کر دے مختار جو شیعیت کی علامت تھے، مصعب بن زبیر کے ہاتھوں پہلے ہی جام شہادت نوش فرما چکے تھے لیکن عبد الملک شیعہ تحریک کا نام و نشان مٹا ڈالنا چاہتا تھا اور اس نے یہ کیا بھی۔ اس کے دور میں عراق خصوصاً کوفہ جو اس وقت شیعوں کا ایک گڑھ شمار کیا جاتا تھا، مکمل جمود اور خاموشی کی نذر ہو گیا۔

بہر حال یہ حوادث کربلا کے عظیم سانحہ سے شروع ہوئے اور پھر یکے بعد دیگرے واقعہ

حرہ میں اہل مدینہ کے قتل و غارت، عراق میں توابین [1] کی بیخ کنی، جناب مختار ثقفی اور ابراہیم بن مالک اشتر نخعی نیز دیگر اکابرین شیعہ کی شہادت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آزادی کے حصول کی غرض سے ہر تحریک چاہے وہ مدنیہ ہو یا کوفہ(کیونکہ اس وقت یہ دونوں شیعوں کے اہم ترین مراکز تھے) کچل کر رکھ دی گئی، شیعیت سے متعلق پورے عالم اسلام میں ایک عجیب خوف و ہراس پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ائمہ طاہرین علیہم السلام سے وابستہ رہ گئے تھے اپنی زندگی نہایت ہی غربت و کس مپرسی میں بسر کررہے تھے۔

[1] توابین کی تحریک واقعہ کربلا کا سب سے پہلا ردعمل ہے جو کوفہ میں ظاہر ہوا۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بعض شیعوں نے ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے مواخذہ وعتاب کا مستحق قرار دیا کہ انھوں نے امام کی دعوت پر لبیک کیوں نہ کہی اور مدد کے لئے میدان میں نکلنے سے کیوں گریز کیا چنانچہ انھوں نے محسوس کیا اس گناہ سے اپنے دامن کو پاک کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ امام کے دشمنوں اور قاتلوں سے حضرت کے خون کا انتقام لیا جائے، لہٰذا وہ لوگ کوفہ آئے اور اکابرین شیعہ میں سے پانچ افراد کو جمع کر کے ان سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور نتیجہ کے طور پر سلیمان بن صرد خزاعی کی قیادت میں کھلے طور پر مسلحانہ تحریک کا آغاز کردیا۔
شب جمعہ ۲۵ ربیع الثانی ۶۵ ہجری کو امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک پر زیارت کے لئے جمع ہوئے اس طرح فریاد وگریہ کرنا شروع کیا کہ آج تک اس گریہ وزاری کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے بعد قبر امام کو وداع کہہ کر شامی حکومت سے نبرد آزمائی کے لئے شام کا رخ کیا اور پھر لشکر بنوامیہ سے جم کر جنگ ہوئی اور سب کے سب مارے گئے۔
توابین کی تحریک کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ باوجود اس کے کہ کوفہ میں تھے پھر بھی شام گئے اور برسراقتدار حکومت سے جنگ کی تاکہ یہ ثابت کردیں کہ امام حسین علیہ السلام کا قاتل کوئی ایک شخص یا چند اشخاص نہیں ہیں بلکہ یہ حکومت ہے جس نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا ہے۔

اس دور میں امام علیہ السلام کا موقف

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر امام زین العابدین علیہ السلام بھی بنو امیہ کے نظام حکومت کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتے ہوتے تو وہ بھی علم بغاوت بلند کر دیتے یا کم از کم (مثال کے طور پر) عبداللہ بن حنظلہ یا مختار ثقفی سے ملحق ہو جاتے یا یہ کہ آپ علیہ السلام ان لوگوں کی رہبری قبول کر لیتے اور کھل کر مسلحانہ مقابلہ کرتے۔ لیکن اگر اس دور کے حالات ہمارے پیش نظر ہوں جس میں امام سجاد علیہ السلام زندگی بسر کر رہے تھے تو ہمارے لئے سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ اس طرح کی فکر ائمہ علیہم السلام کے مقصد سے (جسے ہم بعد میں بیان کریں گے) قطعی میل نہیں کھاتی۔

ان حالات میں اگر امام زین العابدین علیہ السلام یا ائمہ علیہم السلام میں سے کوئی بھی ہوتا اور کھل کے کسی مخالف تحریک میں شامل ہو جاتا یا تلوار لے کے سامنے آ گیا ہوتا تو یقینی طور پر شیعیت کی جڑیں ہمیشہ کے لئے کٹ جاتیں۔ اور پھر آئندہ کسی زمانہ میں مکتب اہلبیت علیہم السلام کے نشوونما اور ولایت و امامت کے قیام کی کوئی امید باقی نہ رہ جاتی سب کچھ ختم اور نیست و نابود ہو کر رہ جاتا۔

بظاہر یہی وجہ نظر آتی ہے کہ امام سجاد علیہ السلام مختار ثقفی کے معاملہ میں ان سے کھل کر کسی طرح کی ہم آہنگی کا اعلان نہیں کرتے اگر چہ بعض روایتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ آپ علیہ السلام کا مختار ثقفی سے مخفی طور پر رابطہ قائم تھا چنانچہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ امام نے علی الاعلان ان سے کبھی کسی طرح کا رابطہ نہ رکھا بلکہ بعض روایتیں تو کہتی ہیں کہ حضرت عام نشستوں میں مختار سے اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کرتے تھے اور یہ چیز بالکل فطری ہے ظاہر ہے آپ علیہ السلام اس سلسلہ میں

تقیہ سے کام لے رہے تھے تاکہ دشمن کو ان کے درمیان کسی خفیہ رابطہ کا شک بھی نہ ہونے پائے۔

اگر مختار کو کامیابی نصیب ہو جاتی تو حکومت اہلبیت علیہم السلام کے سپرد کر دیتے لیکن شکست کی صورت میں جیسا کہ ہوا۔ امام زین العابدین علیہ السلام اور مختار کے درمیان رابطہ کا علم ہو جانے کے بعد خود امام علیہ السلام اور آپ کے دوستوں اور ہمنواؤں کو بھی اس کی سخت قیمت چکانی پڑتی اور شاید شیعیت کا قلع وقمع ہو گیا ہوتا لہٰذا حضرت امام سجاد علیہ السلام ان سے کھل کر کسی طرح کا رابطہ برقرار کرنا کسی طرح اپنے موقف کے لئے مفید نہیں سمجھتے۔

روایت میں ہے جس وقت حرہ کے موقع پر مسلم ابن عقبہ مدینہ منورہ پہنچ رہا تھا کسی کو شک نہ تھا کہ سب سے پہلی شخصیت جو اس کے ظلم و جور کا نشانہ بنے گی وہ امام زین العابدین علیہ السلام کی ذات مبارک ہے لیکن حضرت علیہ السلام نے اپنی تدبیر و فراست سے کام لیتے ہوئے ایسی حکیمانہ روش اختیار کی کہ یہ بلا آپ علیہ السلام سے دور ہو گئی چنانچہ امام علیہ السلام کا وجود باقی رہا اور اس طرح شیعیت کا اصل محور اپنے مقام پر محفوظ رہ گیا۔

البتہ وہ روایتیں جو بعض کتب منجملہ ان کے خود بحار الانوار میں بھی نقل کی گئی ہیں کہ امام علیہ السلام نے مسلم بن عقبہ کے سامنے اپنی حقارت و عاجزی کا اظہار فرمایا، اس کو بھی میں کسی صورت قبول کرنے پر تیار نہیں ہوں بلکہ میری نظر میں یہ قطعی امام علیہ السلام پر جھوٹ اور افترا باندھا گیا ہے کیونکہ:۔

اولاً۔ یہ کہ ان میں سے کوئی روایت صحیح اسناد پر منتہی نہیں ہوتی۔

ثانیاً۔ یہ کہ ان کے بالمقابل دوسری روایتیں موجود ہیں جو مضمون کے اعتبار سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کرتی ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام اور مسلم بن عقبہ کی ملاقات کے ذیل میں متعدد روایتیں ملتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتی لیکن چوں کہ ان میں سے بعض روایات ائمہ علیہم السلام کی شخصیت اور ان کے کردار سے زیادہ قریب ہیں لہٰذا ہم ان کو قبول کرتے ہیں

اور طبیعی طور پر قبول کرتے ہیں پھر ان کے بالمقابل بہت سی دوسری روایتیں خود بخود غلط قرار پا جاتی ہیں اور میرے نزدیک ان کے غلط ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

بہر حال وہ اعمال جو بعض روایتوں میں بیان کئے گئے ہیں امام علیہ السلام سے بعید ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت علیہ السلام نے مسلم بن عقبہ کے مقابلہ میں کسی معاندانہ رویہ کا اظہار نہیں ہونے دیا کیونکہ اگر کوئی ایسا طریقہ کار آپ علیہ السلام اپناتے تو قتل کر دیئے جاتے اور یہ چیز امام حسین علیہ السلام کی اس تحریک کے حق میں ایک ناقابل تلافی نقصان ثابت ہو سکتی تھی جس کو زندہ رکھنا امام سجاد علیہ السلام کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تھا لہٰذا ضروری تھا کہ امام سجاد علیہ السلام زندہ رہیں اور اسی طرح جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول روایت میں کہا گیا ہے۔ رفتہ رفتہ لوگ آپ علیہ السلام سے ملحق ہوتے رہیں اور ان کی تعداد بڑھتی رہے۔ دراصل امام زین العابدین علیہ السلام کا کام ایسے سخت اور نامساعد حالات میں شروع ہوتا ہے جس کا جاری رکھنا عام افراد کے لئے تقریباً ناممکن تھا۔

عبد الملک کا دور جس میں حضرت علیہ السلام کی امامت کا بیشترین حصہ یعنی تقریباً ۳۰۔۳۲ سال گزرا بڑا ہی دشوار دور تھا۔ عبد الملک کی پوری مشینری مکمل طور پر آپ کی نگرانی پر لگی ہوئی تھی اس نے ایسے جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو امام علیہ السلام کی زندگی کے ایک ایک پل حتی کہ گھریلو اور خصوصی مسائل کی بھی خبر اس تک پہنچاتے رہتے تھے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس ایک کنیز تھی جس کو آزاد کرنے کے بعد آپ نے اس سے شادی کر لی۔ یہ خبر عبد الملک کو معلوم ہوئی تو اس نے حضرت کے نام ایک خط روانہ کیا اور اس میں اس موضوع پر طنز وسرزنش کی وہ اس طرح باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہم کو آپ کے تمام امور کی خبر ملتی رہتی ہے اور تمام معاملات زندگی کی خبر رکھتے ہیں اور ضمنی طور پر ہم خون اور ہم قبیلہ ہونے کی بنیاد پر بحث ومناظرہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ وہ خط میں لکھتا ہے کہ آپ کا یہ کام قریش کی روش کے خلاف ہے اور آپ چونکہ قریش کے ہی ایک فرد ہیں لہٰذا آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے

تھا۔ چنانچہ حضرت علیہ السلام نے بھی اس کا جواب بہت ہی تند و سخت لب و لہجہ میں دیا جو قابل توجہ ہے۔ آپ نے اپنے خط سے عبدالملک پر یہ واضح کر دیا کہ تیرا نیم دوستی اور نیم دشمنی پر محمول یہ خط کسی طرح بھی میرے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

یہ واقعہ اس دور کا ہے جب حضرت علیہ السلام کسی حد تک اپنی جد و جہد کا آغاز کر چکے تھے۔

امام علیہ السلام کے مقاصد

امام سجاد علیہ السلام کن حالات میں کام کیا ہے یہ بات واضح ہوگئی ،تو امام علیہ السلام ایسے حالات میں اپنی تحریک کا آغاز کرنا چاہتے ہیں اس منزل میں ائمہ علیہم السلام کے مقصد اور طریقہ کار کے سلسلہ میں مختصر طور پر اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں اس کے بعد اس روش اور طریقہ کار کی روشنی میں امام علیہ السلام کی جزئیات زندگی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرونگا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جناب امام سجاد علیہ السلام کا آخری مقصد، اسلامی حکومت قائم کرنا ہے چنانچہ صادق آل محمد علیہ السلام کی اس روایت کے مطابق ،جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، خداوند عالم کی طرف سے ۷۰ ہجری، اسلامی حکومت کی تاسیس کا سال قرار دیا گیا تھا مگر ۶۱ ہجری میں ہی امام حسین علیہ السلام کی شہادت واقع ہوگئی جس کے نتیجہ میں یہ کام سن ۱۴۷، ۱۴۸ تک کے لئے موقوف کر دیا گیا۔

یہ چیز کامل طور پر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ جناب امام سجاد علیہ السلام نیز دیگر تمام ائمہ علیہم السلام کا آخری مقصد اسلامی حکومت قائم کرنا ہی رہا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخران حالات میں حکومت اسلامی کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔اس کے لئے چند چیزیں بہت ضروری ہیں۔

۱۔صحیح اسلامی طرز فکر، جو واقعی طور پر ائمہ علیہم السلام کے پاس تھی۔ مدون و مرتب ہو اور درس وتبلیغ کے ذریعہ عام کی جائے کیونکہ یہی طرز فکر ہے جس کو اسلامی حکومت کی بنیاد و اساس قرار دیا جا

سکتا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ مسلسل طور پر ایک لمبے عرصے تک اسلامی معاشرہ صحیح اسلامی طرز فکر سے دوری اختیار کئے رہا بھلا کس طرح ممکن ہو سکتا تھا کہ لوگوں کے ذہنوں پر اسلامی افکار کا نقش قائم کئے بغیر اسلامی نظریات پر مبنی ایک حکومت قائم کر دی جائے جب کہ ابھی حکومت کے حقیقی احکام کی تدوین و ترتیب بھی باقاعدہ عمل میں نہ آسکی ہو۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا عظیم ترین کارنامہ یہی ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسلام کے بنیادی افکار و نظریات توحید، نبوت، انسان کی معنوی حیثیت، خدا اور بندہ کے درمیان رابطہ نیز دیگر اہم موضوعات کو مدون و مرتب کر دیا ہے چنانچہ زبور آل محمد علیہم السلام یعنی صحیفہ سجادیہ کی اہم ترین خصوصیت یہی ہے۔ اگر آپ صحیفہ سجادیہ کا مطالعہ کریں اور اس کے بعد اس زمانے کی عام اسلامی فکر کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ دونوں کے درمیان کتنا عمیق فاصلہ نظر آتا ہے۔ جس وقت پورا عالم اسلام مادیت میں گرفتار اپنی مادی ضروریات و خواہشات کی تکمیل میں سرگردان و منہمک ہے، خلیفہ وقت (عبد الملک بن مروان) سے لے کر اس کے ارد گرد بیٹھنے والے علماء تک (مثال کے طور پر محمد بن شہاب زہری جیسے درباری علماء، جن کا ذکر عنقریب آئے گا) سب کے سب مفاد پرستی و دنیا طلبی میں غرق نظر آتے ہیں۔ امام سجاد علیہ السلام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ان کی اسلامی حمیت کو للکارتے ہیں:

آیا (تم میں) کوئی ایسا آزاد مرد نہیں ہے جو اس دریدہ دہن حریص کتے کا بچا کھچا اس کے اہل کے لئے چھوڑ دے۔

یہاں اسلامی طرز فکر سے مراد۔ معنویات کو اصل ہدف قرار دے کر صحیح اسلامی و معنوی بلندیوں تک پہنچنے کی جد و جہد کرنا اور انسان کا اپنے معبود نیز اس کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داریوں کے تئیں متوجہ رہنا ہے۔ جب کہ اس کے بالمقابل وہ مادی طرز فکر ہے جس نے اس دور کے مسلمانوں کو اپنا شکار بنا رکھا تھا۔

بہر حال صرف نمونہ کے طور پر ہم نے ایک بات یہاں ذکر کردی ورنہ امام سجاد علیہ السلام نے اس طرح کے بے انتہا امور انجام دیئے ہیں جس کے نتیجہ میں صحیح اسلامی طرز فکر اپنے اصل خدو خال کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں باقی رہ جائے اور اس کو امام زین العابدین علیہ السلام کا اولین کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے حقدار افراد کی طرف عوام کی رہنمائی کرنا۔ ان حالات میں جب کہ دسیوں سال سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت طاہرہ کے خلاف پروپیگنڈہ کا بازار گرم رہا ہو اور تقریباً پورا عالم اسلام اس شور و غوغا سے لبریز ہو۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرکے ایسی جعلی حدیثوں کا انبار لگا دیا ہو جو اہل بیت علیہم السلام کی تحریک کے سو فیصد خلاف ہوں حتیٰ کہ بعض حدیثوں میں اہل بیت علیہم السلام کو مورد سب و لعن قرار دے دیا گیا ہو، اور یہ حدیثیں عوام کے درمیاں نشر بھی ہوچکی ہوں لوگوں کو اہلبیت علیہ السلام کی صحیح معرفت اور ان کی معنوی حیثیت اور مقام کا علم ہی نہ ہو۔ تو بھلا بتایئے اہلبیت علیہم السلام کے ہاتھوں حکومت کی تشکیل کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟

اسی لئے امام زین العابدین علیہ السلام کا ایک اہم ترین مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کے درمیان اہلبیت علیہم السلام کی حقانیت کو واضح و آشکار کریں انھیں بتائیں کہ ولایت و امامت اور خلافت و حکومت ان کا حق ہے یہی حضرات پیغمبر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین ہیں۔ ساتھ ساتھ لوگوں کو اس مسئلہ کی اہمیت سے بھی آگاہ کیا جائے چنانچہ اگر یہ مسئلہ اسلامی نظریات اور آئیڈیالوجی سے تعلق رکھتا ہے پھر بھی اس کا سیاست سے بڑا گہرا ربط ہے دوسرے لفظوں میں موجودہ سیاسی نظام کے خلاف ایک سیاسی تحریک ہے۔

۳۔ امام سجاد علیہ السلام کی تیسری اہم ذمہ داری یہ تھی کہ ایک ایسی تنظیم تشکیل دی جائے جو آئندہ کے لئے ہر طرح کی سیاسی و اسلامی تحریک کا اصل محور قرار پا سکے لیکن ایک ایسے معاشرہ میں جہاں لوگ گھٹن، فقر مالی، و معنوی فشار کے زیر اثر افراتفری اور پراگندگی کی زندگی گزارنے

کے عادی ہو چکے ہوں حتیٰ کہ خود شیعہ حضرات ایسے سخت دباؤ اور فشار میں مبتلا کر دیئے گئے ہوں کہ ان کی تنظیمیں درہم برہم ہو کر رہ گئی ہوں بھلا امام زین العابدین علیہ السلام کے لئے کس طرح ممکن تھا کہ تن تنہا یا اپنے چند گنے چنے نا منظم مخلصین کے ساتھ اپنا کام شروع کر سکیں؟

چنانچہ کسی تحریک کے آغاز سے پہلے امام کے لئے ضروری تھا کہ وہ شیعوں کو منظم کریں اور با قاعدہ ان کی تنظیمیں تشکیل دیں۔ اور یہ جہاں تک میری نظر ہے، امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں موجود تھی البتہ بعد میں کربلا کے المناک سانحہ، مدینہ میں حرہ کے حادثہ اور کوفہ میں مختار کے واقعہ نے تقریباً ان کی بنیادیں متزلزل کر کے رکھ دی تھیں اب ضرورت تھی کہ ان کو دوبارہ منظم کر کے ان میں ایک نئی روح پھونک دی جائے۔

مختصر یہ کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام کو اپنی تحریک آگے بڑھانے کے لئے بنیادی نوعیت کے حامل تین اہم کام انجام دینے تھے۔

اول۔ منزل من اللہ، صحیح اسلامی افکار ونظریات کی تدوین وتربیت، جو ایک مدت سے تحریف یا فراموشی کی نذر کر دیئے گئے تھے۔

دوم۔ اہلبیت علیہم السلام کی حقانیت اور خلافت و امامت و ولایت پر ان کے استحقاق کا اثبات۔

سوم۔ شیعیان آل محمد علیہم السلام کو ایک نقطہ پر جمع کر کے ان کی ایک با قاعدہ تنظیم کی تشکیل۔

یہی وہ تین بنیادی کام ہیں جن کا ہمیں تفصیل سے جائزہ لینا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کون سا کام امام سجاد علیہ السلام کے زمانہ میں انجام پایا۔ اگرچہ ان تین امور کے علاوہ اور بھی بہت سے کام انجام پانے تھے مگر ان کو ضمنی وثانوی حیثیت حاصل ہے۔ منجملہ اس کے کبھی کبھی خود امام علیہ السلام یا آپ کے ساتھیوں کے ذریعہ ایسے اقدامات عمل میں آئیں یا ایسے افکار وخیالات پیش کئے جائیں جو اس گھٹن کے ماحول میں کسی حد تک تبدیلی لا سکیں۔

چنانچہ ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جہاں مجمع عام میں امام علیہ السلام کے ہمنوا یا خود امام علیہ السلام کچھ ایسے خیالات کا اظہار فرماتے نظر آتے ہیں جس کا مقصد محض اس گھٹن کی فضا کو توڑ کر اس منجمد ماحول میں ہوا کا ایک تازہ جھونکا پیدا کرنا تھا (البتہ اس طرح کے واقعات بھی اس دور کے ہیں جب تحریک میں کچھ استحکام پیدا ہو چلا تھا)۔

بہرحال یہ وہ ضمنی اقدامات ہیں جس کے چند نمونے یاددہانی کے طور پر آگے چل کر ہم پیش کریں گے۔ اسی طرح کا ایک اور ضمنی کام براہ راست موجودہ سیاسی مشینری یا اس کے لواحقین کے ساتھ معمولی طور پر پنجے نرم کرنا بھی ہے چنانچہ اس طرح کے قضیے امام علیہ السلام اور عبدالملک بن مروان کے درمیان بار بار پیش آتے رہے ہیں اس کے علاوہ اسی ضمن میں حضرت علیہ السلام اور عبدالملک سے وابستہ (محمد بن شہاب زہری جیسے) منحرف علماء کے درمیان پیش آنے والے معاملات بھی شامل ہیں۔ امام علیہ السلام کے دوستوں اور خلفائے وقت کے مابین ہونے والی بعض معرکہ آرائیاں بھی اسی فہرست میں آتی ہیں۔ اور ان سب کا ہدف ومقصد کسی حد تک اس حبس اور گھٹن کے ماحول سے لوگوں کو نجات دلانا تھا۔ انشاء اللہ آگے ان جزئیات پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

اگر کوئی شخص صرف اسی حد تک میرے تمام معروضات کو اچھی طرح درک کر لے تو ساری کی ساری اخلاقی روایات موعظانہ گفتگو اور پیغامات، عارفانہ اور دعائیں نیز دیگر بے بہا اقوال وارشادات جو امام چہارم علیہ السلام سے مروی ہیں یا امام علیہ السلام کی زندگی میں واقع ہوتے رہے ہیں خود بخود ایک معنی پیدا کر لیں گے یعنی وہ شخص اس بات کو محسوس کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ امام علیہ السلام کے تمام اقدامات وارشادات ان ہی تینوں خطوط کے اردگرد گھومتے نظر آئیں گے جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے اور مجموعی طور پر ان تمام امور کا ایک ہی مقصد وہدف یعنی ایک اسلامی حکومت کی تشکیل ہے۔

البتہ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ امام سجاد علیہ السلام کو ہرگز اس بات کی فکر اور جلدی نہیں

تھی کہ مطلوبہ اسلامی حکومت خود آپ علیہ السلام کے زمانے میں ہی تشکیل پا جائے بلکہ آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ کام مستقبل قریب میں آپ علیہ السلام کے فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پانا مقرر ہو چکا ہے (جو آئندہ پیش آنے والے حادثات کی بنا پر دوبارہ معرض التوا میں پڑ گیا)

ہماری گزشتہ بحث اس منزل تک پہنچی تھی کہ اسلامی حکومت کی تشکیل ہمارے تمام ائمہ معصومین علیہم السلام منجملہ ان کے امام زین العابدین علیہ السلام کا بنیادی مقصد و ہدف تھا چنانچہ اس سلسلہ میں امام علیہ السلام کو تین اہم ترین امور انجام دینے تھے کیونکہ ان مقدماتی منزلوں کو طے کئے بغیر اسلامی حکومت کی تشکیل ممکن ہی نہیں تھی۔

پہلا کام

لوگوں میں صحیح اسلامی طرز فکر پیدا کرنا تھا جو گزشتہ حاکمان جور کے ہاتھوں ایک مدت سے خود فراموشی یا تحریف کی نذر ہو چکا تھا چنانچہ اس کو اپنی اصلی و ابتدائی شکل وصورت میں واپس لانے کے لئے پورے اسلامی معاشرہ میں ہر خاص و عام کو جس حد تک بھی ممکن ہو سکے اور جہاں جہاں تک بھی امام علیہ السلام کی تبلیغ و تعلیم کی آواز پہنچ سکے اسلامی اصول و حقائق سے آشنا کرنا بے حد ضروری تھا۔

دوسرا کام

مسئلہ امامت کی حقیقت سے لوگوں کو واقف بنانا تھا یعنی عوام کے درمیان اسلامی حکومت یا اسلامی حاکمیت اور اسلامی حاکمیت کو قائم کرنے کے لئے مستحق وموزوں افراد کی نشان دہی کرنی تھی۔ان کو یہ بتانا تھا کہ اس وقت جو لوگ خلافت وحکومت پر براجمان ہیں حاکمان کفر و استبداد اور مربیان فسق و نفاق ہیں۔اور آج اسلامی معاشرہ میں عبدالملک بن مروان جیسوں کی

حکومت، وہ حاکمیت نہیں ہے جو اسلام اپنے معاشرہ کے لئے چاہتا ہے کیونکہ جب تک عوام ان مسائل سے آگاہ و ہوشیار نہ ہوں گے اور اپنے آپ میں نہ آئیں گے رفتار زمانہ کے ہاتھوں ان پر جو بے حسی طاری ہوگئی ہے اس کے گرد و غبار جب تک ذہنوں سے صاف نہ ہو جائیں گے امام علیہ السلام کی نگاہ میں حاکمیت کا جو تصور ہے ان کے لئے کبھی قابل قبول نہ ہوگا۔

تیسرا کام

ایک ایسی جماعت اور تنظیم تشکیل دینا جس سے وابستہ افراد دست امامت کے تربیت یافتہ مرکزی ارکان ہوں۔

ان تینوں بنیادی کاموں کے انجام پا جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب اسلامی حکومت یا علوی نظام کے لئے زمین ہموار ہو چکی ہے۔ البتہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور یہاں پھر یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے برخلاف امام زین العابدین علیہ السلام کے پیش نظر یہ بات ہرگز نہیں تھی کہ خود ان کے زمانہ میں ہی یہ حاکمیت تبدیل ہو کر حکومت اسلامی قائم ہو جائے کیونکہ معلوم تھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ میں اس کے لئے زمین ہموار نہیں ہو سکے گی۔ ظلم و زیادتی حبس اور گھٹن کا ماحول کچھ اتنا زیادہ تھا کہ محض ۳۰ سال کی مدت میں اس کا برطرف ہو جانا ممکن نہ تھا چنانچہ امام سجاد علیہ السلام مستقبل کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ ایسے بھی متعدد قرآئن ملتے ہیں جس کے مطابق امام محمد باقر علیہ السلام کا بھی اپنی زندگی کے دوران ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ خود اپنے دور میں ہی اسلامی حکومت تشکیل دے دیں یعنی ۶۱ ھ سے ۹۵ ھ تک جب کہ امام سجاد علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی اور پھر ۹۵ ھ سے ۱۱۴ ھ تک جو امام محمد باقر علیہ السلام کا دور امامت ہے ان سے کوئی بھی خود اپنے زمانے میں ہی حکومت اسلامی تشکیل دے دینے کی فکر میں نہیں تھا لہٰذا ان کی نظریں ایک مدت دراز کے بعد ظاہر ہونے والے نتائج پر تھیں چنانچہ

جیسا کہ میں نے اشارتاً عرض کیا امام سجاد علیہ السلام کا طریقہ کار طویل المدت کے لئے تھا۔

اب ہم امام زین العابدین علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے معروضات کا ثبوت، خود امام علیہ السلام کے اقوال میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں کوئی تحقیقی جائزہ پیش کرتے وقت ہمارے بنیادی مصادر و ماخذ خود امام علیہ السلام کے کلمات مبارکہ ہی ہونے چاہئیں۔ اور یہی طریقہ و روش دیگر ائمہ علیہم السلام کے سلسلہ میں بھی ہم نے اختیار کیا ہے کیونکہ ہماری نظر میں کسی بھی امام علیہ السلام کی زندگی سے متعلق صحیح معرفت و آشنائی کے لئے خود اس امام علیہ السلام کی زبان مبارک سے جاری ہونے والے بیانات یا روایتیں بہترین منبع و مدرک ہیں۔ لیکن ہم اس سے قبل بھی یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ ہم امام علیہ السلام کے بیانات کو صرف اس وقت صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں جب موقف و مقصد، راہ عمل اور تلاش و جستجو سے آشنا ہوں ورنہ ہم جو بھی تفسیر کریں گے وہ غلط ہوگی اور خود یہ آشنائی بھی ان کے کلمات کی برکت سے ہی حاصل ہوئی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ ائمہ علیہم السلام کے کلمات سے کتنے صحیح نتائج اس سلسلہ میں ہم کو حاصل ہوں گے۔

قبل اس کے کہ ہم اس بحث میں وارد ہوں ایک اہم نکتہ کی طرف بطور اختصار اشارہ کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ امام علیہ السلام چوں کہ انتہائی گھٹن کے ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے اور آپ علیہ السلام کے لئے ممکن نہیں تھا کہ کھل کر صریحی طور سے اپنے موقف اور نظریات بیان کر سکیں لہٰذا آپ علیہ السلام نے دعا اور موعظہ کو اپنے اظہار کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ دعا صحیفہ سجادیہ، سے مربوط ہے جس کا ہم آئندہ ذکر کریں گے البتہ موعظہ کا تعلق ان اقوال و روایات سے ہے جو حضرت علیہ السلام سے نقل ہوتی ہیں۔ امام علیہ السلام کے زیادہ تر ارشادات یا شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ تمام کے تمام بیانات موعظہ کے لب ولہجہ میں ہیں۔ چنانچہ اسی موعظہ اور نصیحت کے ضمن میں وہ باتیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، امام علیہ السلام نے بیان فرما دی ہیں۔ جس وقت آپ ان بیانات کا نگاہ غائر سے مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ امام علیہ السلام نے کتنا حکیمانہ اور مدبرانہ طریقہ کار منتخب کیا ہے بظاہر تو

ایسا لگتا ہے کہ امام علیہ السلام لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے ہیں لیکن اسی ضمن میں جو باتیں لوگوں کے ذہن میں بیٹھانا چاہتے ہیں غیر محسوس طور پر لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں اور یہ افکار و نظریات کے ابلاغ کا بہترین طریقہ ہے۔

یہاں ہم امام علیہ السلام کے ان کلمات کی تحقیق و تشریح کرنا چاہتے ہیں جو کتاب "تحف العقول" میں حضرت علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں، اسی میں وہ مطالب جو امام سجاد علیہ السلام سے نقل ہوئے ہیں ہمیں چند نوعیت کے حامل نظر آتے ہیں جو ان ہی مذکورہ جہات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ان میں بعض بیانات وہ ہیں جن میں عام لوگوں سے خطاب ہے جیسا کہ خود بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے سننے اور پڑھنے والے امام علیہ السلام کے خاص الخاص افراد نہیں ہیں چنانچہ عام لوگوں سے خطاب کرتے وقت ہمیشہ قرآنی آیات سند کے طور پر پیش کی گئی ہیں کیونکہ عوام الناس امام علیہ السلام کو امام کی حیثیت سے نہیں پہچانتے وہ تو ہر بات کے لئے دلیل و استدلال چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام یا تو براہ راست آیات سے استدلال پیش کرتے ہیں یا آیات سے مدد لیتے ہیں۔ اس روایت میں تقریباً پچاس یا اس سے بھی زائد موارد میں قرآنی آیات کا براہ راست یا استعارہ کے طور پر استعمال نظر آتا ہے۔

لیکن بعد کے بیان میں جہاں جہاں مومنین سے خطاب ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ امام کی معرفت رکھتے ہیں اور ان سے امام اپنی گفتگو کے دوران چوں کہ وہ امام کی بات قبول کرتے ہیں، قرآن سے استدلال پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ اگر شروع سے آخر تک جائزہ لیں تو قرآنی آیات بہت کم نظر آتی ہیں۔

امام سے ایک مفصل روایت نقل کرتے ہوئے "صاحب تحف العقول" فرماتے ہیں:

"موعظته علیه السلام لسائر أصحابه و شیعته و تذکیره إیاهم کل یوم

جمعة."[1]

یعنی یہ موعظہ اس لئے تھا کہ حضرت علیہ السلام کے شیعہ اور حضرت علیہ السلام کے دوست ہر جمعہ کے دن اپنوں کے مجمع میں یا تنہا انفرادی طور پر اسے پڑھا کریں۔ یہاں مخاطبین کا دائرہ کافی وسیع ہے اور یہ نکتہ خود اس تفصیلی روایت میں پائے جانے والے قرآئن سے استنباط کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس روایت میں خطاب "ایھا المومنین ایھا الاخوة" یا اسی کے مثل کسی اور عنوان سے نہیں ہے بلکہ ایھا الناس، سے خطاب ہے جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے جب کہ بعض دوسری روایتوں میں خود خطاب کا انداز مومنین سے خطاب ہونے کی نشاندہی کرتا ہے لہٰذا یہاں عمومی خطاب ہونا ثابت ہے۔

اس کے علاوہ اس روایت میں موجودہ نظام کو صاف اور صریحی انداز سے مورد مواخذہ وعتاب قرار دیئے جانے کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی صرف عقائد یا وہ باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا جاننا انسان کے لئے ضروری ہے دوسرے لفظوں میں محض اعتقادات و معارف اسلامی کی یاددہانی کرائی گئی ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا پورا خطاب موعظہ کے لب ولہجہ میں ہے جس کی ابتدا ان الفاظ میں ہوتی ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.[2]

گفتگو ہی موعظہ سے شروع ہوتی ہے کہ اے لوگو! تقوائے الٰہی اختیار کرو اور یاد رکھو کہ آخر خدا کو منہ دکھانا ہے۔

اس کے بعد عقائد اسلامی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمہارا

---

[1] تحف العقول/النص/249/موعظته علیہ السلام لسائر أصحابه وشيعته وتذكيره إياهم كل يوم جمعة..... ص: 249

[2] تحف العقول/النص/249/موعظته علیہ السلام لسائر أصحابه وشيعته وتذكيره إياهم كل يوم جمعة..... ص: 249

فرض ہے کہ اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کرو جس کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ تم اسلام کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے ہو گویا اس بیان کے ذیل میں لوگوں کے اندر اسلام کی صحیح شناخت کا جذبہ بیدار کر رہے ہیں۔

اسی طرح ذرا دیکھئے کہ کتنے حسین انداز میں امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَلَا وَإِنَّ أَوَّلَ مَا يَسْأَلَانِكَ عَنْ رَبِّكَ الَّذِي كُنْتَ تَعْبُدُهُ.

اسی موعظانہ تقریر میں ذیل میں آگے بڑھ کر فرماتے ہیں:

اس وقت سے ڈرو جب تم کو لوگ تن تنہا قبر کے حوالے کر دیں گے اور منکر ونکیر تمہارے پاس آئیں گے اور پہلی چیز جس کے بارے میں تم سے سوال کریں گے۔

تمہارے خدا سے متعلق ہوگی جس کی تم پرستش وعبادت کرتے ہو یعنی سننے والوں کے ذہن میں توحید کا مفہوم اتار کر معرفت خدا کی لہر پیدا کر رہے ہیں۔

وَعَنْ نَبِيِّكَ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكَ.

اور تم سے اس نبی کے بارے میں سوال کریں گے جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔

گویا مسئلہ نبوت اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرفان کا جذبہ زندہ کر رہے ہیں۔

وَعَنْ دِينِكَ الَّذِي كُنْتَ تَدِينُ بِهِ.

اور اس دین کے بارے میں پوچھیں گے جس کی تم نے پیروی کی ہے۔

وَعَنْ كِتَابِكَ الَّذِي كُنْتَ تَتْلُوهُ.

اور تمہاری اس کتاب کے سلسلہ میں خبر لیں گے جس کی تم تلاوت کیا کرتے تھے۔

اور پھر مذہب اسلام کے ان ہی بنیادی و اساسی مسائل وعقائد یعنی توحید، نبوت، قرآن اور دین کے ساتھ ہی ساتھ اپنے مدنظر اصلی نکتہ کی طرف بھی لوگوں کو متوجہ کر دیتے ہیں۔

وَعَنْ إِمَامِكَ الَّذِي كُنْتَ تَتَوَلَّاهُ.[1]

اوراس امام کے بارہ میں بھی سوال ہوگا جس کی ولایت کا تم دم بھرتے رہے ہو۔

یہاں امام علیہ السلام مسئلہ امامت کو واضح کر رہے ہیں دراصل ائمہ علیہم السلام کے یہاں مسئلہ امامت مسئلہ حکومت سے الگ نہیں ہے ائمہؑ کے نزدیک مسئلہ ولایت اور مسئلہ امامت میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ ممکن ہے ولی اور امام کے معنی آپس میں کچھ تفاوت رکھتے ہوں لیکن یہ دونوں مسئلہ [مسئلہ امامت ومسئلہ ولایت] ائمہؑ کی زبان میں ایک ہیں اور ان سے ایک ہی معنی مراد ہیں اس جگہ حضرت علیہ السلام اسی امام کے بارہ میں سوال کی بات کر رہے ہیں جو دینی طور پر لوگوں کی ہدایت وآگاہی کا بھی متکفل وذمہ دار بنایا گیا ہے اور دنیوی اعتبار سے ان کے امور زندگی کا بھی نگراں اور ذمہ دار قرار دیا گیا ہے یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ہم جس دور میں زندگی گزار رہے ہیں، لوگ امام کا مطلب اچھی طرح سمجھنے لگے ہیں۔ گزشتہ زمانہ میں عوام اس کا صحیح مفہوم درک کرنے سے قاصر تھے۔ آج ہم جانتے ہیں امام یعنی معاشرہ کا رہبر وقائد۔ امام یعنی وہ جس سے ہم دین بھی حاصل کرتے ہیں اور دنیا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے جس کی اطاعت ہم پر دینی امور میں بھی واجب ہے اور دنیوی معاملات میں بھی فرض ہے۔

خوش قسمتی سے دور حاضر میں لفظ امام نے ہمارے ذہنوں میں اپنا صحیح مقام حاصل کرلیا ہے ورنہ آپ ملاحظہ فرمائیں صدیوں سے دنیائے تشیع میں یہ مسئلہ کتنی غلط فہمی کا شکار رہا ہے لوگ خیال کرنے لگے تھے کہ ایک شخص وہ ہے جو معاشرہ پر حکومت کررہا ہے نظم زندگی سے متعلق امور اس کے ہاتھ میں ہیں بندش وآزادی سے لے کر جنگ وصلح تک سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے وہی مالیات (ٹیکس) مقرر کرتا ہے اور وہی ہمارے اچھے اور برے کا مالک وذمہ دار ہے اور اسی

---

[1] تحف العقول/النص/249/موعظته ع لسائر أصحابه و شيعته و تذكيره إياهم كل يوم جمعة..... ص: 249

کے بالمقابل ایک شخص اور بھی ہے جس کا کام لوگوں کا دین درست کرنا ہے پہلے کو حاکم کہتے ہیں دوسرے کو غیبت کے زمانہ میں عالم اور قبل از غیبت امام کہتے ہیں یعنی ائمہ علیہم السلام کے زمانہ میں ایک امام کی منزل ہم وہی تصور کرنے لگے تھے جو غیبت امام کے زمانے میں ایک عالم دین کی ہوتی ہے ظاہر ہے یہ تصور قطعاً غلط ہے۔

در اصل امام، پیشوا اور ہادی کو کہتے ہیں جیسا کہ ہم صادق آل محمد علیہ السلام کے حالات زندگی کے ذیل میں اشارہ کر چکے ہیں کہ جس وقت امام منیٰ یا عرفات میں پہنچتے ہیں ایک مرتبہ با آواز بلند ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ الْإِمَامَ.[1]

یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے۔

امام اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کے دین اور دنیا کا ذمہ دار ہوتا ہے، چنانچہ امام سجاد علیہ السلام کے دور میں بھی جس وقت اسلامی معاشرہ کی حکومت و فرمانروائی عبد الملک بن مروان کے ہاتھ میں تھی، لوگ امام کا مفہوم غلط سمجھ بیٹھے تھے۔ معاشرہ کی امامت کا مطلب ہی لوگوں کے مسائل حیات نیز تمام بندش و آزادی کے نظام کی نگرانی و تحفظ کرنا ہے اور یہ امامت کا ایک بڑا ہی اہم شعبہ ہے [یہ منصب اہل سے لے کر نااہلوں کے سپرد کر دیا گیا تھا] اور وہ نااہل خود کو امام سمجھتا بھی تھا وہی نہیں بلکہ عرصہ تک عوام بھی اس کو امام ہی سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ لوگ عبد الملک سے پہلے مروان بن حکم اور اس سے پہلے یزید اور اس کے پیش رووں کو اسی طرح عبد الملک کے بعد اس کی جگہ پر آنے والے دوسرے لوگوں کو اپنا امام تصور کرتے رہے ان کو معاشرہ کا رہبر نیز لوگوں کے اجتماعی مسائل پر حاکم کے عنوان سے قبول کرتے تھے۔ اور یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ

---

[1] إقبال الأعمال (ط - القديمة) / ج1 / 330 / فصل فيما نذكره من الاهتمام بالدلالة على الإمام يوم عرفة عند اجتماع الأنام لأجل حضور الفرق المختلفة من أهل الإسلام ..... ص: 330

چکی تھی۔

جس وقت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: قبر میں تم سے امامت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام علیہ السلام متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرلو کہ جب نکیرین سوال کریں گے کہ آیا تم نے جس کو اپنا امام منتخب کیا تھا وہ واقعی امام تھا؟ وہ شخص جو تم پر حکومت کررہا تھا، معاشرہ کی رہبری جس کے ہاتھ میں تم نے دے رکھی تھی کیا وہ حقیقتاً امام ہونے کا مستحق تھا؟ کیا وہ وہی شخص تھا جس کی امامت پر خدا راضی تھا؟ اس کا کیا جواب دو گے؟ یعنی اس طرح حضرت علیہ السلام لوگوں کو اس مسئلہ کی نزاکت کا احساس دلا کر انھیں بیدار کررہے تھے گویا بالکل غیر محسوس طور پر مسئلہ امامت جس کے سلسلہ میں بنوامیہ کی پوری مشینری کسی طرح کی کوئی بات سننے پر قطعی تیار نہ تھی امام علیہ السلام اس کو موعظہ میں ڈھال کر ایک عمومی خطاب کے ضمن میں پیش کر کے لوگوں کے ذہن و احساس کو زندہ و بیدار کررہے تھے۔ یہاں امام علیہ السلام کی روش اور طریقہ کار میں ٹھہراؤ پایا جاتا ہے کسی طرح کی عجلت نظر نہیں آتی۔ آگے چل کر جہاں امام علیہ السلام نے ذرا سختی اور تیزی سے کام لیا ہے ہم اس کا بھی ذکر کریں گے۔

مختصر یہ کہ عوام الناس سے مربوط اپنے عمومی خطاب میں امام علیہ السلام موعظہ کی زبان میں اسلامی معارف منجملہ وہ حقائق جن پر حضرت علیہ السلام کی خاص توجہ بھی، لوگوں کے ذہنوں میں زندہ کررہے ہیں آپ علیہ السلام کی کوشش ہے کہ عوام ان چیزوں کو یاد رکھیں۔ اس قسم کے خطابات میں دو نکتے خاص طور پر توجہ کے مستحق ہیں۔

اولاً یہ کہ عوام الناس سے کئے جانے والے یہ خطاب تعلیمی نقطہ نظر سے نہیں پیش کئے گئے ہیں بلکہ ان کی نوعیت تذکر و یاد دہانی کی ہے یعنی یہاں امام علیہ السلام بیٹھ کر عوام کے سامنے مسئلہ توحید کے دریچے کھولنے یا مسئلہ نبوت کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ محض تذکر و یاد دہانی مقصود ہے۔

مثلاً مسئلہ نبوت کو لے لیجئے۔ ظاہر ہے امام سجاد علیہ السلام جس معاشرہ اور جس زمانہ میں

زندگی بسر کررہے تھے ابھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزرے ہوئے اتنی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ مکمل طور اعتقادات اسلامی انحراف یا تحریف کا شکار ہو چکے ہوں اس زمانہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جنھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اور ائمہ اطہار علیہم السلام میں سے۔ امیر المومنین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو دیکھنے والے بھی موجود تھے اور اجتماعی نظام کے اعتبار سے ابھی وہ نوبت نہیں پہنچی تھی کہ لوگ مسئلہ توحید ونبوت کے سلسلے میں یا مسئلہ معاد وقرآن کے بارے میں کسی بنیادی واصولی شک وشبہ اور تحریف سے دوچار ہوں۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اکثریت ان کو بھلا بیٹھی تھی۔ مادی زندگی اس بات کی موجب ہوئی کہ لوگ اسلام، اسلامی، اعتقادات اور ان کی عظمت واہمیت کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے۔

معاشرہ میں دنیوی ومادی طمع نے اس شدت کے ساتھ لوگوں کو اپنا اسیر بنالیا تھا کہ اصلاً یہ فکر کہ انسانی زندگی میں معنویات وخیرات کے سلسلہ میں تقابل وموازنہ کا بھی کوئی میدان موجود ہے لوگوں کے ذہنوں سے بالکل نکل چکا تھا اور کسی کو اس میدان میں آگے بڑھنے کی کوئی فکر نہ تھی اور اگر اس طرف کوئی قدم بڑھاتا بھی تو اس میں ظاہر داری اور سطحیت کا عمل دخل ہوتا توحید کے وہ آثار وفوائد جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں یا اس سے متصل قریبی زمانہ میں لوگوں پر مرتب ہوتے تھے اور اس سلسلے میں وہ احساس وادراک اور وہ ذمہ داری اب مفقود ہو چکی تھی لہٰذا فقط تذکر و یاد دہانی کی ضرورت تھی تاکہ لوگوں میں ادراک پیدا ہوجائے ورنہ دین میں ابھی کوئی ایسی تحریف نہیں ہوئی تھی جس کی تصحیح ضروری ہو اس کے برخلاف بعد کے زمانوں میں مثال کے طور پر امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کو لے لیجئے یہ بات اپنی حد سے آگے بڑھ چکی تھی اس وقت خود مسلمانوں کے درمیان بہت سے متکلمین یا دوسرے لفظوں میں بہت سے فلسفی اور منطقی پیدا ہوگئے تھے جو طرح طرح کے ناموں سے بڑی بڑی مسجدوں۔ مسجد مدینہ، مسجد شام، حتیٰ کہ خود مسجد الحرام میں آکر بیٹھ جاتے تھے اور غلط افکار وعقائد کی باقاعدہ تعلیم وتدریس فرماتے تھے۔

وہاں ابن ابی العوجا جیسے افراد بھی موجود تھے جو زندیقیت و دہریت یعنی وجود خدا سے انکار کا درس دیا کرتے تھے اور اس پر استدلال بھی پیش کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیانات کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام توحید و نبوت یا اسی کے مثل دوسرے مسائل باقاعدہ استدلال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، ظاہر ہے دشمن کے استدلال کے خلاف استدلال کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے بیانات میں یہ چیزیں نہیں ملتی۔ حضرت علیہ السلام اسلامی مطالب پیش کرتے وقت منطقی استدلال عوام کے سامنے پیش نہیں کرتے بلکہ صرف تذکر و یاددہانی کے طور پر اشارہ کر دیتے ہیں۔ دیکھو! قبر میں تم سے توحید و نبوت کے سلسلہ میں سوالات کئے جائیں گے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ صرف ذہن کو ایک ٹھوکا دینے کے لئے ہے کہ انسان ان مسائل پر سوچنے کے لئے مجبور ہو جائے اور وہ چیزیں جو غفلت و فراموش کی نذر ہو چکی ہے ذہن دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو جائے،

خلاصہ بحث یہ کہ امام سجاد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو اس بات پر دلالت کرے کہ لوگ حتیٰ کہ ارباب حکومت و سلطنت بھی، اسلامی فکر و نظر سے کھل کر بغاوت و برگشتگی پر آمادہ ہوں ہاں صرف ایک موقع مجھے نظر آیا اور اس کا اظہار یزید کے اس شعر سے ہوتا ہے جو اس نے غرور و مستی میں ڈوب کر اس وقت پڑھا تھا جب خانوادۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسیر کر کے اس کے دربار میں پیش کیا گیا۔ وہ کہتا ہے:

لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالدِّينِ فَلَا
خَبَرٌ جَاءَ وَ لَا وَحْيٌ نَزَلَ

(معاذ اللہ) بنی ہاشم نے حکومت و سلطنت کے لئے ایک کھیل کھیلا تھا نہ کوئی خبر آئی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی

یعنی اس کو دین و وحی سے کوئی مطلب نہ تھا۔۔ چنانچہ اس مسئلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یزید کی یہ ہرزہ سرائی ممکن ہے نشہ و مستی کے غلبہ کے سبب رہی ہو۔۔ ورنہ حتیٰ کہ عبدالملک اور حجاج

بن یوسف جیسوں میں بھی عقیدہ توحید یا عقیدہ نبوت سے کھل کر مخالفت کرنے کی جرأت نہ تھی۔عبدالملک بن مروان وہ شخص ہے جو اس کثرت سے قرآن کی تلاوت کیا کرتا تھا کہ اس کو لوگ قراءقرآن میں شمار کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں جس وقت اس کو خبر دی گئی کہ تم خلیفہ ہو گئے ہو اور حکومت پر فائز ہوئے ہو تو اس نے قرآن کو بوسہ دیا اور کہا: "هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ" یعنی اب ہماری اور تمہاری ملاقات قیامت میں ہوگی۔حقیقت بھی یہی تھی پھر اس کے بعد اس نے کبھی قرآن اٹھا کر نہ دیکھا۔

حجاج بن یوسف کیسا ظالم تھا آپ نے سنا ہی ہوگا لیکن یقیناً جتنا آپ نے سنا ہے وہ اس کے مظالم سے کہیں کم ہے۔اس کے جیسا شخص بھی جب منبر سے خطبہ دیتا ہے تو لوگوں کو تقوائے الٰہی کی تلقین کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ امام سجاد علیہ السلام کی زندگی میں جو کچھ ملتا ہے اس کا ماحصل عوام کو اسلامی افکار و نظریات کی طرف متوجہ اور خبردار کرنا ہے تاکہ لوگوں کے فکری بہاؤ کو مادیت کے بجائے خدا، اس کے دین اور قرآن کی طرف موڑ دیا جائے۔

ہم فکر جماعت کی تشکیل

بہر حال، یہ امام علیہ السلام کے بیانات کی ایک قسم تھی۔ دوسری قسم کے بیانات وہ ہیں جن میں امام زین العابدین علیہ السلام کے مخاطب کچھ مخصوص افراد ہیں اگر چہ یہ مشخص نہیں ہے کہ یہ کن لوگوں سے خطاب ہے لیکن یہ کاملاً طے ہے کہ آپ کا خطاب ایک ایسے گروہ سے ہے جو موجودہ حکومت سے بیزار اور اس کا مخالف ہے چاہے وہ جو لوگ بھی ہوں۔اور شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہو کہ یہ وہی گروہ ہے جو امام علیہ السلام کی اطاعت اور حکومت اہلبیت علیہم السلام پر یقین و اعتقاد رکھتا ہے۔

کتاب "تحف العقول" میں خوش قسمتی سے امام علیہ السلام کے اس قسم کے بیانات کا ایک نمونہ موجود ہے (ایک نمونہ اس لئے کہ جب ہم اس طرح کی دوسری کتابوں کی چھان بین کرتے

ہیں تو ان میں بھی ایسے چند نمونوں کے سوا امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول کوئی اور چیز نہیں ملتی) پھر بھی انسان یہ محسوس کرسکتا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی میں اس طرح کے بے انتہا نمونے پیش آئے ہوں گے مگر موجودہ حالات اور آپ علیہ السلام کی حیات کے دوران پیش آنے والے طرح طرح کے حوادث گھٹن کی زندگی دشمنوں کے حملے، اذیتیں، اصحاب ائمہ کا قتل اور شہادت یہ سب اس بات کا باعث بنے کہ وہ گرانبہا آثار باقی نہ رہ سکے چنانچہ بہت ہی کم مقدار میں چیزیں ہمارے ہاتھ لگ سکی ہیں۔

بہرحال امام علیہ السلام کا یہ بیان کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے:

كَفَانَا اللهُ وَ إِيَّاكُمْ كَيْدَ الظَّالِمِينَ، وَ بَغْيَ الْحَاسِدِينَ، وَ بَطْشَ الْجَبَّارِينَ.[1]

خداوند عالم ہم کو اور تم کو ظالموں کے مکر وفریب، حاسدوں کی بغاوت وسرکشی اور جابروں کی جبروزیادتی سے محفوظ و مامون رکھے۔

خود خطاب کا انداز بتاتا ہے کہ امام علیہ السلام اور آپ کا مخاطب گروہ دونوں اس جہت میں شریک ہیں یعنی موجودہ حکومت ونظام کی طرف سے وہ سب کے سب خطرہ میں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات ایک مخصوص گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس جماعت کو لفظ مومنین یا اہلبیت کے محبین و،مقربین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس انداز کے خطابات " **یا ایھا المؤمنون** " سے شروع ہوتے ہیں۔ جب کہ پہلی نوعیت کے بیانات میں " **ایھا الناس** " یا بعض موارد میں " یابن آدم " سے خطاب کیا گیا ہے اور یہاں ایھا المومنون ہے یعنی امام علیہ السلام کے خطاب میں اپنے مخاطبین کے صاحب ایمان ہونے کا اعتراف موجود ہے اور یہ وہ مومنین ہیں جو اہلبیت علیہم السلام اور ان کے افکار ونظریات پر واقعی ایمان رکھتے تھے۔

اس منزل میں جب امام علیہ السلام اپنے اصل مطلب پہ آتے ہیں تو آپ علیہ السلام کی گفتگو بھی

---

[1] الكافي (ط-الإسلامية) / ج8 / ..... ص: 14

اس چیز کی واضح نشان دہی کرتی ہے کہ آپ علیہ السلام کے مخاطب مومنین۔یعنی اہلبیت علیہم السلام سے قربت رکھنے والے افراد ہیں۔

لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الطَّوَاغِيتُ وَ أَتْبَاعُهُمْ مِنْ أَهْلِ الرَّغْبَةِ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا الْمَائِلُونَ إِلَيْهَا الْمُفْتَتِنُونَ بِهَا الْمُقْبِلُونَ عَلَيْهَا. [1]

"یہ طاغوتی افراد اوران کے مطیع وفرمانبردار جو دنیا کے حریص، اس کے شیدائی، اس پر فریفتہ وقربان اوراس کی طرف دوڑنے والے لوگوں سے ہیں تم کوفریب میں مبتلا نہ کردیں"

یہاں مومنین سے خطاب کے وقت اصل لب ولہجہ میں ان کوشر سے محفوظ رہنے اور آئندہ ہم فکری کے ساتھ کام کرنے کے لئے آمادہ کیا جا رہا ہے۔ظاہر ہے موجودہ طاغوتی نظام کے طرفداروں اور ائمہ کے ہمنواؤں کے درمیان اندر اندر جوشدید مخالفت اور مقابلہ آرائی جاری تھی اس کی وجہ سے ائمہ علیہم السلام کے چاہنے والوں کو بڑی سخت محرومیت اور رنج ومصیبت جھیلنی پڑ رہی تھی۔

چنانچہ امام علیہ السلام کے اس بیان میں اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مومنین کواس بات سے خبردار کیا گیا ہے کہ اس دنیا کی وقتی تڑک بھڑک اور جھوٹی نمائش کے چکر میں اگر آ گئے تو اس کی قیمت کے طور پر تم کو اہل طاغوت سے ہاتھ ملانا پڑے گا۔اور یہ انداز اورلب ولہجہ نہ صرف اس بیان میں بلکہ امام علیہ السلام سے منقول اور بھی بہت سے دوسرے مختصر اقوال وروایات میں آپ مشاہدہ فرما سکتے ہیں۔اگر آپ ان کو دیکھیں تو محسوس کریں گے کہ امام علیہ السلام نے لوگوں کو دنیا سے پرہیز کی دعوت دی ہے۔

دنیا سے پرہیز سے کیا مطلب ہے؟ یعنی لوگوں کواس لہر سے محفوظ رکھیں جو انسان کو ناز ونعم میں غرق کر دیتی ہے اوراس کے دام میں گرفتار ہو کر انسان اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے

---

[1] الکافی (ط-الإسلامیة) / ج8/15 / صحیفة علی بن الحسین ع و کلامه فی الزهد..... ص 14:

اوراس کی انقلابی جدوجہد سرد پڑ جاتی ہے۔اور یہ دعوت مومنین سے متعلق خطابات میں ملتی ہے عوام الناس سے خطاب کے دوران یہ انداز بہت کم نظر آتا ہے۔عوام سے خطاب کے وقت، جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں زیادہ تر جولب ولہجہ اپنایا گیا ہے وہ ہے کہ: لوگو، خدا کی طرف متوجہ رہو قبر و قیامت کا دھیان رکھو، اپنے کوکل کے لئے آمادہ کرو یا اسی طرح کی دوسری باتیں۔

ان حقائق کی روشنی میں اگر کوئی سوال کرے کہ اس دوسرے قسم کے خطابات سے امام علیہ السلام کا مقصد کیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ایک ہم فکر جماعت تیار کرنا چاہتے ہیں امام علیہ السلام چاہتے ہیں کہ کسی ضروری موقع کے لئے مومنین کا ایک گروہ رہے یہی وجہ ہے ان لوگوں کو اعلیٰ اقتدار کی ہوس اور جھوٹی مراعات کی چکا چوند سے محفوظ رکھیں اس دوسرے قسم کے بیان میں امام علیہ السلام بار بار موجودہ حاکم نظام کا تذکرہ کرتے ہیں جب کہ گزشتہ قسم کے بیان میں یہ چیز اتنی وضاحت کے ساتھ نظر نہیں آتی یہاں امام سجاد علیہ السلام بڑے ہی سخت لب ولہجہ میں حکومتی مشینری کو مورد ملامت قرار دیتے ہوئے اس کو شیطان کا ہم پلہ بتاتے ہیں مثال کے طور پر فرماتے ہیں۔

وَإِنَّ الْأُمُورَ الْوَارِدَةَ عَلَيْكُمْ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مِنْ مُظْلِمَاتِ الْفِتَنِ وَحَوَادِثِ الْبِدَعِ وَسُنَنِ الْجَوْرِ وَبَوَائِقِ الزَّمَانِ.

تم لوگ جن امور سے ہر شب و روز دو چار رہتے ہو (یعنی) یہ ظلمت خیز فتنے نئی نئی بدعتیں ----وہ بدعتیں جو ظالم نظام کی اختراع ہیں ----ظلم و جور پر مبنی سنتیں اور زمانہ بھر کی سختیاں۔

وَهَيْبَةِ السُّلْطَانِ.

یہ سلطنت کا خوف و ہراس۔

وَوَسْوَسَةِ الشَّيْطَانِ.[1]

اور شیطانی وسوسے۔

---

[1] تحف العقول/النص/253/موعظة و زهد و حكمة..... ص: 252

یہاں امام علیہ السلام ذکر سلطان کے فورا بعد وسوسہ شیطان کا ذکر کرتے ہیں یعنی پوری صراحت کے ساتھ حاکم وقت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو شیطان کا دست راست قرار دیتے ہیں۔ گفتگو کے آخر میں امام علیہ السلام ایک نہایت ہی عمدہ جملہ ارشاد فرماتے ہیں چوں کہ یہ جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا ہم اسے یہاں نقل کر دینا چاہتے ہیں یہ جملہ اسی مطلب کی نشان دہی کرتا ہے جس کی طرف ابھی ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَتُثَبِّطُ الْقُلُوبَ عَنْ نِيَّتِهَا.

یہ حوادث جو انسانی زندگی میں شب و روز پیش آتے ہیں۔ خصوصاً ایسے گھٹن کے ماحول میں دلوں کو ان کی نیت اور جہت سے موڑ دیتے ہیں، جہاد کے شوق اور اس کے محرکات کو ختم کر دیتے ہیں۔

وَ تُذْهِلُهَا عَنْ مَوْجُودِ الْهُدَى.

موجودہ ہدایت کو یعنی وہ ہدایت جو موجودہ معاشرہ میں پائی جاتی ہے اس کی طرف سے ذہنوں کو غافل و برگشتہ کر دیتے ہیں۔

وَ مَعْرِفَةِ أَهْلِ الْحَقِّ.[1]

(اور انسان سے) اہل حق کی معرفت سلب کر کے فراموشی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اہل حق کی یاد کو ان کے دلوں میں باقی نہیں رہنے دیتے۔

امام علیہ السلام کے اس پورے بیان میں وہی اسلوب و انداز پایا جاتا ہے جس کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے یعنی لوگوں کو موعظہ و نصیحت کے انداز میں خبر دار کر رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح کے حوادث زندگی ان کو ان کی مجاہدانہ روش سے غافل بنا دیں اور انھیں ان کے راستہ سے منحرف کر دیں اور دل و دماغ اس کی یاد سے خالی ہو جائے۔ امام علیہ السلام کے ایسے متعدد بیانات ملتے ہیں جن میں سلطان و حاکم جور کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] تحف العقول/النص/253/موعظة و زهد و حكمة..... ص: 252

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِيَّاكُمْ وَ صُحْبَةَ الْعَاصِينَ وَمَعُونَةَ الظَّالِمِينَ. [1]

ایسا نہ ہو کہ تم لوگ گناہ گاروں کی ہم نشینی اختیار کرلو اور ستم گروں کی مدد کرنے لگو۔

یہاں گناہگاروں سے مراد کون لوگ ہیں؟

یہ وہی لوگ ہیں جو عبدالملک کے ظالمانہ نظام کا جز بن چکے ہیں۔ امام علیہ السلام ان کی ہم نشینی سے منع کررہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ ظالموں کی مدد کا ذریعہ بن جاؤ۔

اب ان حقائق کی روشنی میں امام سجاد علیہ السلام کی تصویر پردہ تخیل پر اتار کر دیکھئے کہ حضرت کی کیسی شخصیت آپ کے ذہن میں ابھر کر سامنے آتی ہے آیا اب بھی وہی مظلوم و بے زبان کمزور و بیمار امام جو امور زندگانی سے کوئی مطلب نہیں رکھتا آپ کے ذہن میں آتا ہے؟!

امام علیہ السلام اپنے کچھ مومن، دوستوں طرفداروں اور بہی خواہوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں اور موجودہ حالات میں ان کو ظالم حکام اور درباریوں کے قرب و ہم نشینی نیز اپنی مقدس مہم اور جدوجہد سے غافل و بے پرواہ ہونے سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں اور ان کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے منحرف ہو جائیں۔ امام علیہ السلام ان کے ایمانی جذبات کو تروتازہ اور زندہ و باقی رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ایک روز ان کا وجود اسلامی حکومت کے قیام کی راہ میں مؤثر ثابت ہو سکے۔

---

[1] تحف العقول/النص/254/موعظة و زهد و حكمة..... ص: 252

فلسفہ امامت، امام علیہ السلام کی نظر میں

منجملہ ان تمام چیزوں کے جو امام علیہ السلام کے بیانات کے اس حصہ میں مجھے نہایت ہی اہم اور قابل توجہ نظر آئیں حضرت علیہ السلام کے وہ ارشادات بھی ہیں جن میں اہل بیت علیہم السلام سے وابستہ افراد کے گزشتہ تجربات کا آپ نے ذکر فرمایا --- بیان کے اس حصہ میں جناب امام سجاد علیہ السلام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیا تم لوگوں کو یاد ہے (یا تم کو اس بات کی خبر ہے) کہ گزشتہ ادوار میں ظالم و جابر حکمرانوں نے تم پر کیا کیا زیادتیاں کی ہیں---

یہاں ان مصیبتوں اور زیادتیوں کی طرف اشارہ مقصود ہے جو محبان اہل بیت علیہ السلام کو معاویہ، یزید اور مروان وغیرہ کے ہاتھوں اٹھانی پڑی ہیں چنانچہ امام علیہ السلام کا اشارہ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، حجر بن عدی اور رشید ہجری وغیرہ کی شہادت نیز ایسے بہت سے مشہور و معروف، اہم ترین حادثوں کی طرف ہے جس کا اہل بیت علیہ السلام کے مطیع و ہمنوا افراد گزشتہ زمانوں میں ایک طویل مدت سے تجربہ کرتے چلے آرہے تھے اور وہ واقعات ان کے ذہنوں میں ابھی موجود تھے۔ امام علیہ السلام چاہتے ہیں کہ گزشتہ تجربات اور تلخ ترین یادوں کو تازہ کر کے لوگوں کے مجاہدانہ عزم وارادہ میں مزید پختگی پیدا کریں۔

مندرجہ ذیل عبارت پر ذرا توجہ فرمائیے:

فَقَدْ لَعَمْرِی اسْتَدْبَرْتُمْ مِنَ الْأُمُورِ الْمَاضِيَةِ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ مِنَ

الْفِتَنِ الْمُتَرَا كِمَةِ وَ الِانْهِمَاكِ فِيهَا مَا تَسْتَدِلُّونَ بِهِ عَلَى تَجَنُّبِ الْغُوَاةِ.[1]

میری جان کی قسم، وہ گزشتہ واقعات جو تمہاری آنکھوں کے سامنے گزر چکے ہیں [فتنوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جس میں ایک دنیا غرق نظر آتی تھی تم لوگوں کو ان حوادث و تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے] اور ان کو اپنے لئے درس و استدلال بناتے ہوئے زمین پر فساد برپا کرنے والے گمراہ اور بدعتی افراد سے دوری و اجتناب کر لینا چاہیئے۔

یعنی تمہیں اس بات کا بخوبی تجربہ حاصل ہے کہ اہل بغی وفساد۔ یعنی یہی حکام جور، جب تسلط حاصل کر لیں گے تو تمہارے ساتھ کس طرح پیش آئیں گے۔ گزشتہ تجربات کی روشنی میں تم جانتے ہو کہ تمہیں ان لوگوں سے دور رہنا چاہیئے، اور ان کے مقابلہ میں صف آرائی کرنی چاہیئے۔

امام علیہ السلام نے اپنے بیان میں مسئلہ امامت کو بڑی صراحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے، مسئلہ امامت یعنی یہی خلافت و ولایت، مسلمانوں پر حکومت کرنے اور نظام اسلامی کے نافذ کرنے کا مسئلہ ہے، یہاں امام سجاد علیہ السلام مسئلہ امامت کتنے واضح انداز سے بیان کرتے ہیں جب کہ اس وقت کے حالات ایسے تھے کہ اس قسم کے مسائل اس صراحت کے ساتھ عوام میں پیش نہیں کئے جا سکتے تھے امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَقَدِّمُوا أَمْرَ اللهِ وَ طَاعَتَهُ وَ طَاعَةَ مَنْ أَوْجَبَ اللهُ طَاعَتَهُ.[2]

فرمان الٰہی اور اطاعت رب کو مقدم سمجھو اور اس کی اطاعت و پیروی اختیار کرو جس کی اطاعت و پیروی خدا نے واجب قرار دی ہے۔

امام علیہ السلام نے اس منزل میں امامت کی بنیاد اور فلسفہ کو شیعی نقطہ نظر سے پیش کیا ہے خدا کے بعد وہ کون سے لوگ ہیں جن کی اطاعت کی جانی چاہیئے؟ وہ جن کی اطاعت خدا نے واجب قرار دی ہے اگر لوگ اس وقت اس مسئلہ پر غور و فکر سے کام لیتے تو بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکال

---

[1] تحف العقول/النص/253/موعظة و زهد و حكمة..... ص: 252

[2] تحف العقول/النص/254/موعظة و زهد و حكمة..... ص: 252

سکتے تھے کہ عبدالملک کی اطاعت واجب نہیں ہے کیونکہ خدا کی طرف سے عبدالملک کی اطاعت واجب کئے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عبدالملک کا اپنے تمام ظلم و جور اور بغی وفساد کی وجہ سے لائق اطاعت نہ ہونا ظاہر ہے۔ یہاں پہلے تو امام علیہ السلام مسئلہ امامت بیان فرماتے ہیں اس کے بعد صرف ایک شبہ جو مخاطب کے ذہن میں باقی رہ جاتا ہے اس کا بھی ازالہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَ لَا تُقَدِّمُوا الْأُمُورَ الْوَارِدَةَ عَلَيْكُمْ مِنْ طَاعَةِ الطَّوَاغِيتِ وَ فِتْنَةِ زَهْرَةِ الدُّنْيَا بَيْنَ يَدَيْ أَمْرِ اللهِ وَ طَاعَتِهِ وَ طَاعَةِ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ.[1]

اور جو کچھ تم پر طاغوتوں [عبدالملک وغیرہ] کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے اس کو خدا کی اطاعت کے زمرہ میں رکھتے ہوئے خدا کی اطاعت اس کے رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت پر مقدم قرار نہ دو۔

اصل میں امام علیہ السلام نے اپنے بیان کے اس ٹکڑے میں بھی مسئلہ امامت بڑی صراحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

حضرت علیہ السلام نے گزشتہ بیان میں بھی اور اس بیان میں بھی دو بنیادی اور اساسی مسائل پر توجہ دلائی ہے چنانچہ دونوں بیانات میں مذکورہ تین مراحل تبلیغ میں سے دو مرحلے یعنی لوگوں کے اسلامی افکار و عقائد کی یاد دہانی تاکہ لوگ عقائد اسلامی کا پاس و لحاظ کریں اور ان میں دینداری کا شوق پیدا ہو سکے اور اس کے بعد دوسرا مسئلہ "ولایت امر" یعنی نظام اسلامی میں حکومت و قیادت کا استحقاق واضح کرنا ہے۔ امام علیہ السلام اس وقت لوگوں میں ان دونوں مسائل کو بیان کرتے ہیں اور درحقیقت اپنے مدنظر نظام علوی یعنی اسلامی و الٰہی نظام کی تبلیغ کرتے ہیں۔

---

[1] تحف العقول/النص/254/موعظة و زهد و حكمة..... ص: 252

تنظیم کی ضرورت

امام علیہ السلام کے یہاں ایک تیسری نوعیت کے حامل بیانات بھی ملتے ہیں جوان دونوں سے بھی زیادہ توجہ کے مستحق ہیں ان بیانات میں حضرت علیہ السلام کھلے طور پر لوگوں کو ایک اسلامی تنظیم کی تشکیل کی طرف متوجہ کرتے ہیں البتہ یہ بات ان ہی لوگوں کے درمیان ہوئی ہے جن کو امام علیہ السلام کا اعتماد حاصل رہا ہے ورنہ اگر عام لوگوں کو اس قسم کی کسی جماعت کی تشکیل کی دعوت دی گئی ہوتی تو اس کا پردہ راز میں رہنا مشکل ہو جاتا اور حضرت علیہ السلام کے لئے بڑی زحمت اور پریشانی کا سبب بن جاتا۔ خوش قسمتی سے "تحف العقول" میں اس نوعیت کے بیانات کا بھی ایک نمونہ موجود ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ امام علیہ السلام کا بیان یوں شروع ہوتا ہے۔

إِنَّ عَلَامَةَ الزَّاهِدِينَ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبِينَ فِي الْآخِرَةِ تَرْكُهُمْ كُلَّ خَلِيطٍ وَخَلِيلٍ وَرَفْضُهُمْ كُلَّ صَاحِبٍ لَا يُرِيدُ مَا يُرِيدُونَ.[1]

دنیا کے وہ زاہدین جو دنیا کے پیچھے نہیں بھاگتے اور اپنی دلچسپی آخرت پر مرکوز رکھتے ہیں ان کی پہچان اور علامت یہ ہے کہ ان کے جو دوست اور ساتھی ہم فکر و ہم عقیدہ بلکہ ہم دل اور ہم مشرب نہیں ہوتے ان کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیا یہ واضح طور ایک شیعی تنظیم کی تشکیل کی دعوت نہیں ہے؟!

اس بیان سے لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ جو ان کے مطالبات و خیالات

[1] تحف العقول/النص/272/و من کلامه ع فی الزهد..... ص: 272

سے اتفاق نہیں رکھتے اور جن کے احساس وجذبات بالکل مختلف ہیں جو حکومت حق یعنی علوی نظام نہیں چاہتے وہ ان سے کنارہ کش ہو کر ان کے لئے اجنبی اور بیگانہ بن جائیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے یہاں آمد ورفت اور تعلقات ختم کر لیں یہ تعلقات ویسے ہی ہوں جیسے پہلے تھے یعنی ان سے ملیں لیکن احتیاط کے ساتھ۔

امام فرماتے ہیں:

وہ لوگ جو تمہاری فکر وعزائم سے متفق نہ ہوں یا ہدف ومقصد سے ہم آہنگی نہ رکھتے ہوں ان کے ساتھ تمہارے معاملات اور آمد ورفت کسی اجنبی اور بیگانے کے مانند ہونی چاہئے ان سے دوستانہ تعلقات ختم کر دینے چاہئے۔

میں سمجھتا ہوں اس طرح کے مزید بیانات خود امام سجاد علیہ السلام کے یہاں نیز دیگر ائمہ علیہم السلام کے یہاں بھی مل جائیں گے بلکہ دیگر ائمہ علیہم السلام کے ارشادات میں یہ چیزیں زیادہ مل جائیں گی جہاں تک خود میری نظر ہے اس طرح کے بیانات امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام نیز ان کے بعد کے کم از کم تین چار ائمہ کے یہاں مجھے ملے ہیں حتی کہ امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات میں بھی منظم ومرتب اسلامی جماعت کی تشکیل کی طرف اشارے موجود ہیں، البتہ یہاں اس تفصیل طلب موضوع پر زیادہ بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے کچھ بیانات وارشادات ایسے بھی ہیں جن میں پیش کئے جانے والے مطالب کلی نوعیت کے حامل ہیں ان میں ان مخصوص پہلوؤں کو مورد بحث نہیں قرار دیا گیا ہے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔مثال کے طور پر امام سجاد علیہ السلام کا ایک رسالہ، حقوق سے متعلق ہے جو دراصل آپ کا ایک نہایت ہی مفصل خط ہے اور ہماری اصطلاح میں اس کو ایک مستقل رسالہ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، جی ہاں! یہ کتاب جو رسالہ حقوق کے نام سے مشہور ہے حضرت علیہ السلام کا ایک خط ہے جو آپ نے اپنے کسی محب کو لکھا ہے اور اس میں ایک دوسرے کے تئیں انسانی حقوق وذمہ داری کا ذکر فرمایا ہے، یقیناً یہ ایک رسالہ سے کم نہیں ہے۔امام علیہ السلام نے

اس خط میں مختلف جہتوں سے لوگوں کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں ان کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ مثلاً خدا کے حقوق، اعضا وجوارح کے حقوق، کان کے حقوق، آنکھ کے حقوق، زبان کے حقوق، ہاتھ کے حقوق وغیرہ اسی طرح اسلامی معاشرہ پر حاکم فرمانروا کے عوام پر کیا حقوق ہیں، عوام کے حاکم پر کیا حقوق ہیں، دوستوں کے حقوق، پڑسیوں کے حقوق، اہل خاندان کے حقوق.................۔

اوران تمام حقوق کا اس عنوان سے ذکر کیا گیا ہے جس کا ایک اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنے والے شخص کو پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے گویا امام علیہ السلام نے بڑے ہی نرم انداز میں حکومت سے مقابلہ آرائی یا آئندہ نظام کا حوالہ دیئے بغیر مستقبل میں قائم کئے جانے والے نظام کی بنیادوں کو بیان کر دیا ہے کہ اگر ایک روز خود امام سجاد علیہ السلام کے زمانہ حیات میں (جس کا اگرچہ احتمال نہیں پایا جاتا تھا) یا آپ کے بعد آنے والے زمانہ میں اسلامی نظام حکومت قائم ہوجائے تو مسلمانوں کے ذہن ایک دوسرے کے تئیں عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے پہلے سے مانوس رہیں۔ دوسرے لفظوں میں لوگوں کو آئندہ متوقع اسلامی حکومت کے اسلام سے آشنا بنا دینا چاہتے ہیں۔ یہ بھی امام علیہ السلام کے بیانات کی ایک قسم ہے جو بہت ہی زیادہ قابل توجہ ہے۔

ایک قسم وہ بھی ہے جس کا آپ صحیفہ سجادیہ میں مشاہدہ فرماتے ہیں ظاہر ہے صحیفہ سجادیہ سے متعلق کسی بحث کے لئے بڑی تفصیل وتشریح کی ضرورت ہے۔ مناسب یہی ہے کہ کوئی اس کتاب پر باقاعدہ کام کرے۔ صحیفہ سجادیہ دعاؤں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ان تمام موضوعات کو مورد سخن قرار دیا گیا ہے جن کی طرف بیدار و ہوشمند زندگی میں انسان متوجہ ہوتا ہے۔ ان دعاؤں میں زیادہ تر انسان کے قلبی روابط اور معنوی ارتباطات پر تکیہ کیا گیا ہے اس میں بے شمار مناجاتیں اور دعائیں مختلف انداز سے معنوی ارتقا کی خواہش وآرزو لئے ہوئے ہیں۔ امامؑ نے ان دعاؤں کے ضمن میں دعاؤں کی ہی زبان سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلامی زندگی کا ذوق وشعور بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دعا کے ذریعہ جو فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں ان میں ایک وہ بھی ہے جسے میں بارہا ذکر کر چکا ہوں کہ دعا لوگوں کے قلوب میں ایک صحیح وسالم محرک ورجحان پیدا کر دیتی ہے جس وقت آپ کہتے ہیں:

اللّٰھُمَّ اجْعَلْ عَوَاقِبَ أُمُورِنَا خَيْراً.[1]

"خدایا ہمارا انجام بخیر فرما"

ظاہر ہے آپ کے دل میں اس وقت انجام کار کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور آپ عاقبت کی فکر میں لگ جاتے ہیں بعض وقت انسان اپنی عاقبت سے غافل رہ جاتا ہے اپنے حال میں مست زندگی گزارتا رہتا ہے اور اس بات کی فکر نہیں کرتا کہ عاقبت کا تصور انسانی سرنوشت کے تعین میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے، جب دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے یک بیک ذہن اس طرف متوجہ ہوا اور انجام کار پر نظر رکھنے کا جذبہ بیدار ہوگیا۔اور پھر آپ اس فکر میں پڑ گئے کہ ایسے امور انجام دیں جو آپ علیہ السلام کی عاقبت بہتر بنا سکیں ویسے اس کو کس طرح بہتر بنایا جا سکتا ہے یہ ایک دوسری بحث ہے۔میں تو اس مثال کے ذریعہ صرف اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا کہ دعا کس طرح انسان کے اندر ایک صحیح اور سچا جذبہ بیدار کر دیتی ہے۔صحیفہ سجادیہ علیہ السلام ایک ایسی کتاب ہے جو شروع سے آخر تک دعاؤں کے جامہ میں ایسے ہی اعلیٰ جذبات وافکار سے معمور ہے جن پر انسان اگر غور کرے تو صرف یہی صحیفہ سجادیہ ایک معاشرہ کی اصلاح اور بیداری کے لئے کافی ہے۔

فی الحال اس بحث کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں البتہ اس کے علاوہ بھی ایسی بہت چھوٹی چھوٹی روایتیں ہیں جو امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل ہوئی ہیں جس کا ایک نمونہ ہم گزشتہ بحث کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] شرح آقا جمال خوانساری بر غرر الحکم و درر الکلم / ج6 / 119 / 9730 ملاك الخواتم ما أسفر عن رضى الله سبحانه...... ص: 119

وَلَا حُرٌّ يَدَعُ هَذِهِ اللُّمَاظَةَ لِأَهْلِهَا. [1]

"اللُّمَاظَةَ" یعنی کتے کا بچا ہوا کھانا،

ملاحظہ فرمائیے امام علیہ السلام کا یہ بیان کتنا اہم ہے:

آیا ایک حریت پسند ایسا نہیں ہے جو کتّے کی بچی ہوئی غذا اس کے اہل کے لئے چھوڑ دے!

کتّے کی بچی ہوئی غذا کا کیا مطلب ہے؟ یہی دنیوی آرائش، اونچے اونچے محل، شان و شوکت اور تڑک بھڑک۔ وہ چیزیں جن کی طرف تمام کمزور دل افراد عبدالملک کے دور میں کھنچے چلے جارہے تھے۔ اسی چیز کو امام علیہ السلام نے لفظ "لماظة" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ تمام لوگ جو عبدالملک کی غلامی یا اس کے غلاموں کی غلامی میں مشغول تھے یا جو کچھ بھی ان لوگوں کے ہاتھوں ہورہا تھا اس سے راضی تھے، ان سب کا مقصد یہی کتے کی بچی ہوئی غذا کا حاصل کرنا تھا امام علیہ السلام اسی لئے فرماتے ہیں کہ کتے کی بچی ہوئی غذا کے پیچھے نہ بھاگتے پھرو تاکہ مومنین کرام عبدالملک کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر اس کی طرف جذب نہ ہونے پائیں۔

اس طرح کے نہایت ہی قابل توجہ انقلابی بیانات امام علیہ السلام کے ارشادات میں بہت ملتے ہیں جن کا ہم آگے چل کر انشاء اللہ ذکر کریں گے۔ اسی فہرت میں حضرت علیہ السلام کے اشعار بھی شامل ہیں حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اشعار بھی کہے ہیں اور ان اشعار کے مضامین بھی اسی قسم کے ہیں انشاء اللہ ہم آگے اس سلسلے میں روشنی ڈالیں گے۔

---

[1] تحف العقول/ النص/ ۳۹۱/ وصیتہ ع لہشام وصفتہ للعقل..... ص: ۳۸۳

درباری علماء پر امام سجاد علیہ السلام کی سخت تنقید

امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات اور طرز زندگی سے متعلق مسائل کی تشریح کرتے ہوئے ہم اپنی بحث کے اس موڑ پر آپہنچے ہیں جہاں زمین ایک ایسی عظیم اسلامی تحریک مہمیز کرنے کے لئے ہموار ہوچکی ہے۔جس کا حکومت علوی اور حکومت اسلامی پر منتہی ہونا ممکن نظر آنے لگا ہے اس صورت حال کو بطور مختصر ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے طریقہ و روش میں کچھ لوگوں کے لئے (معارف اسلامی کا) بیان و وضاحت کچھ لوگوں کے لئے خود کو منظم و مرتب کرنے کی تلقین اور کچھ افراد وہ بھی تھے جن کے لئے عمل کی راہیں معین و مشخص ہوجاتی تھیں یعنی اب تک کے معروضات کی روشنی میں امام سجاد علیہ السلام کی تصویر کا جو خاکہ ابھر کر سامنے آتا ہے اس کے تحت حضرت علیہ السلام اپنے تیس، پینتیس سال اس کوشش میں صرف کر دیتے ہیں کہ عالم اسلام کے شدت کے ساتھ برگشتہ ماحول کو ایک ایسی سمت کی طرف لے جائیں کہ خود آپ علیہ السلام کے لئے یا آپ علیہ السلام کے جانشینوں کے لئے اس بنیادی ترین جد و جہد اور فعالیت کے لئے موقع فراہم ہو سکے جس کے تحت ایک اسلامی معاشرہ اور الٰہی حکومت قائم ہو سکے۔ چنانچہ اگر امام سجاد علیہ السلام کی ۲۵ سالہ سعی و کوشش ائمہ علیہم السلام کی زندگی سے جدا کر لی جائے تو ہرگز وہ صورت حال تصور نہیں کی جاسکتی جس کے نتیجہ میں امام صادق علیہ السلام کو اولاً حکومت بنی امیہ اور پھر حکومت بنی عباس کے خلاف اتنی کھلی ہوئی واضح پالیسی اپنانے کا موقع ہاتھ آیا۔

ایک اسلامی معاشرہ وجود میں لانے کے لئے فکری و ذہنی طور پر زمین ہموار کرنا تمام

چیزوں سے زیادہ لازم وضروری ہے اور یہ ذہنی وفکری آمادگی، اس وقت کے ماحول اور حالات میں جس سے عالم اسلام دوچار تھا، وہ کام تھا جو یقیناً ایک طویل مدت کا طالب ہے اور یہی وہ کام ہے جو امام زین العابدین علیہ السلام نے تمام تر زحمت اور صعوبت ومصیبت کے باوجود اپنے ذمہ لیا تھا۔

اس عظیم ذمہ داری کے دوش بدوش امام سجاد علیہ السلام کی زندگی میں ایک اور تلاش وجستجو جلوہ گر نظر آتی ہے جو دراصل سابق کی تیار کردہ زمین کو مزید ہموار کرنے کی طرف امام علیہ السلام کے ایک اور اقدام کی مظہر ہے اس طرح کی کوششوں کا ایک بڑا حصہ سیاسی نوعیت کا حامل ہے اور بعض اوقات بے حد سخت شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا ایک نمونہ امام علیہ السلام کا حکومت وقت سے وابستہ اوران کے کارگزار محدثوں پر کڑی تنقید ہے۔ موجودہ بحث میں اسی نکتہ پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

آئمہ علیہم السلام کی زندگی سے متعلق ولولہ انگیز ترین بحثوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلامی معاشرہ کی فکر وثقافت کو رنگ عطا کرنے والے افراد یعنی علماء[1] وشعراء کے ساتھ ان بزرگواروں کا برتاؤ کیسا رہا ہے؟ اصل میں عوام کی فکری وذہنی تربیت ورہبری ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی، خلفاء بنی امیہ وبنی عباس معاشرہ کو جس رخ پر لے جانا پسند کرتے تھے یہ لوگ عوام کو اسی راہ پر لگا دیتے تھے گویا خلفاء کی اطاعت اور تسلیم کا ماحول پیدا کرنا ان ہی حضرات کا کام تھا چنانچہ ایسے افراد کے ساتھ کیا روش اور طرز اپنایا جائے دیگر ائمہ علیہم السلام کی طرح امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کا بھی ایک بڑا ہی اہم اور قابل توجہ پہلو ہے۔

---

[1] یہاں علماء سے مراد اس زمانہ کے علمائے دین ہیں جن میں محدثین، مفسرین قراء، قاضی صاحبان اور زاہد منشی سب ہی شامل تھے۔

حدیث گڑھنا ظالموں کی ایک ضرورت

جیسا کہ ہم جانتے ہیں خلفائے ظلم و جور کے سامنے، اسلام کا عقیدہ رکھنے والوں پر اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارا ہی نہیں تھا کہ وہ جو کچھ بھی انجام دینا چاہتے ہیں اس کی طرف لوگوں کے قلبی ایمان کو جذب کریں کیونکہ اس وقت زمانہ صدر اسلام گزرے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے لوگوں کے دلوں میں اسلام کا عقیدہ و ایمان باقی تھا اگر لوگوں کو یقین پیدا ہو جاتا کہ یہ جو ظالم کی انھوں نے بیعت کی ہے درست نہیں ہے یا یہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کے لائق نہیں ہے یقیناً اپنے آپ کو ان کے حوالے نہ کرتے۔ اور اگر یہ بات ہم سب کے لئے قبول نہ کریں تو بھی اسلامی معاشرے میں یقیناً ایسے افراد کثرت سے پائے جاتے تھے جو پورے ایمان قلبی کے ساتھ خلفاء کے دربار کی غیر اسلامی صورت حال کو تحمل کر رہے تھے یعنی ان کا خیال تھا کہ یہی اسلامی شان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ خلفائے جور نے اپنے دور کے زیادہ سے زیادہ دینی علماء اور محدثین کی خدمات سے استفادہ کیا اور ان لوگوں کو جو کچھ وہ چاہتے تھے اس کے لئے آمادہ کیا اور پھر ان سے کہا کہ ان کی مرضی کے مطابق خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بزرگ اصحاب سے جعلی حدیثیں روایت کریں۔

حدیث گڑھنے کے کچھ نمونے

اس سلسلہ میں مثالیں موجود ہیں جو انسان کو لرزا دیتی ہیں، نمونہ کے طور پر ہم یہ حدیث نقل کرتے ہیں:-

معاویہ کے زمانہ میں ایک شخص کی کعب الاحبار [1] سے مڈبھیڑ ہو گئی، کعب الاحبار چوں کہ معاویہ نیز دیگر شاہی امراء کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتا تھا، اس لئے اس شخص سے سوال کیا۔ کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟

اہل شام سے ہوں۔

شاید تم ان لشکریوں میں سے ہو جن کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب کے وارد بہشت ہوں گے!۔

وہ کون لوگ ہیں؟

وہ سب اہل دمشق ہیں لیکن میں اہل دمشق نہیں ہوں۔

پس شاید تو ان لشکریوں میں سے ہے کہ خدا جن کی طرف ہر روز دو بار نگاہ (لطف) کرتا ہے!!۔

---

[1] کعب الاحبار ایک یہودی تھا جو دوسرے دور خلافت میں مسلمان ہو گیا، اس کی بیان کردہ حدیثوں کے بارے میں بہت زیادہ شک وشبہ پایا جاتا ہے نہ صرف شیعوں کے درمیان بلکہ بہت سے اہل سنت حضرات بھی اس کی حدیثوں کے بارے میں یہی گمان رکھتے ہیں البتہ بعض اہل سنت نے اس کو قبول بھی کیا ہے۔

وہ کون لوگ ہیں؟

اہل فلسطین۔

اگر وہ آدمی کہہ دیتا میں اہل فلسطین سے نہیں ہوں، تو شاید کعب الاحبار ایک ایک کر کے بعلبک طرابلس اور شام کے بقیہ تمام شہروں کے ساکنین کے لئے حدیثیں نقل کرتا رہتا اور ثابت کر دیتا کہ یہ سب نہایت ہی صالح وشائستہ افراد ہیں! سب کے سب اہل بہشت ہیں!!

کعب الاحبار یہ حدیثیں یا تو شامی امراء کی خوشامد اور چاپلوسی میں گڑھا کرتا تھا تاکہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ انعام ومدد حاصل کر کے ان کا محبوب ومقرب بن سکے یا یہ کہ اس کے اس عمل کی جڑیں اس کی اسلام دشمنی میں تلاش کرنی پڑیں گی جس کا مقصد احادیث اسلامی خلط ملط کر کے اقوال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشتبہ اور ناقابل شناخت بنانا رہا ہوگا۔

تذکرہ اور رجال وحدیث کی کتابوں میں اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔ ان ہی میں سے ایک اس امیر کی داستان ہے جو اپنے فرزند کو ایک مکتب میں داخل کرتا ہے اور وہاں مہتمم متکبر اس کی پٹائی کر دیتا ہے، لڑکا روتا دھوتا گھر پہنچ کر جب باپ کو اپنی پٹائی کی خبر دیتا ہے تو باپ غصہ میں بپھرا ہوا کہتا ہے: ابھی جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس مہتمم مکتب کے خلاف ایک حدیث وضع کرو تاکہ مکتب کا مہتمم دوبارہ اس قسم کی غلطی کرنے کی جرأت نہ کرے!!

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے لئے حدیث گڑھ لینا اس قدر آسان ہو چکا تھا کہ بچوں کی آنکھوں سے ڈھلنے والے آنسوؤں کے قطرے، خود مہتمم مکتب یا اس کے وطن وشہر کے خلاف ایک حدیث ڈھالنے کے لئے کافی ہوتے تھے، بہر صورت یہی حالات اس بات کا سبب بنے کہ دنیائے اسلام میں ہی اسلام سے برگشتہ ایک خودساختہ مخلوط ومجعول ذہنیت اور تہذیب و ثقافت پھلنے پھولنے لگی، اور اس غلط ذہنیت کو جنم دینے والے وہی علماء اور محدثین تھے جو اپنے زمانہ کے صاحبان اقتدار ومنصب کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے چنانچہ، ایسے سخت ترین حالات میں اس گروہ سے ٹکر لینا بہت ہی اہم اور فیصلہ کن ہے۔

محمد زہری کی چند جعلی حدیثیں

اب ہم اس کا ایک نمونہ امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی سے نقل کرتے ہیں یہ نمونہ محمد بن شہاب زہری [1] کے ساتھ حضرت علیہ السلام کے طرز عمل کی عکاسی کرتا ہے۔

محمد بن شہاب زہری شروع میں امام سجاد علیہ السلام کے شاگردوں اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں میں نظر آتا ہے یعنی یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت علیہ السلام سے علوم حاصل کئے ہیں اور حضرت علیہ السلام سے حدیثیں بھی نقل کی ہیں پھر بھی رفتہ رفتہ [اپنے اندر پائے جانے والی جسارت کے باعث] یہ شخص دربار خلافت سے قریب ہوتا گیا اور پھر ان درباری علماء محدثین کے زمرہ میں شامل ہو گیا جو ائمہ علیہم السلام کے بالمقابل، کھڑے کئے گئے تھے۔

محمد بن شہاب زہری کی افتاد طبع سے مزید آشنائی پیدا کرنے کے لئے پہلے ہم اس کے بارہ میں چند حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

ان میں ایک حدیث وہ ہے جس میں وہ خود کہتا ہے:

كُنَّا نَكْرَهُ كِتَابَ الْعِلْمِ حَتَّى اكرهنا عَلَيْهِ هَؤُلَاءِ الامراء فَرَأَيْنَا أَلَّا نمنعه أَحَداً مِنَ الْمُسْلِمِينَ. [2]

---

[1] بعض نے اس کا نام محمد بن مسلم زہری بھی نقل کیا ہے یعنی اس کے باپ کا نام کبھی شہاب اور کبھی مسلم ملتا ہے شاید ایک اس کے باپ کا نام اور ایک اس کے باپ کا لقب رہا ہوگا۔

[2] وسائل الشيعة / المقدمة / أمر عمر بن عبد العزيز (99-101 ه) ..... ص: 49

شروع میں علمی قلم نگاری سے کام لینا ہمیں اچھا نہ لگتا تھا یہاں تک کہ امراء وحکام نے ہم کواس بات پر آمادہ کیا کہ ہم جو کچھ جانتے ہیں قلم بند کردیں تا کہ کتاب کی صورت میں آجائے اس کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ کسی بھی مسلمان کواس کام سے منع نہ کریں اور ہمیشہ علم ودانش سپرد قلم ہوتے رہیں۔

اس گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک محدثین کے اس گروہ کے درمیان یہ دستور رواج نہیں پایا تھا کہ جو حدیثوں کو جانتے ہیں لکھ بھی ڈالیں۔اسی طرح محمد بن شہاب زہری کا امراء کی خدمت میں ہونا اوران کا اس کو اپنے علم وخواہش کے تحت حدیث قلمبند کرنے پر ابھارنا بھی اسی عبارت سے ثابت ہے۔

ایک "معمر" نامی شخص کہتا ہے: ہمارا خیال تھا کہ ہم نے زہری سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں یہاں تک کہ ولید مارا گیا، ولید کے قتل ہوجانے کے بعد ہم نے دیکھا کہ دفتروں کا ایک انبار ہے جو چوپایوں پر لادکر ولید کے خزانے سے باہر کیا جارہا ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ: یہ سب زہری کا علم ہے۔ [1]

یعنی زہری نے ولید کی خواہش اور خوشامد میں اتنے دفاتر وکتب، حدیثوں سے پر کر دیئے تھے کہ جب ولید کے خزانے سے ان کو نکالنے کی نوبت آئی تو چوپایوں پر بار کرنے کی احتیاج محسوس ہوئی۔ یہ دفاتر وکتب جو ولید کے حکم سے ایک شخص کے ذریعہ حدیثوں سے پر ہوئے ظاہر ہے ان میں کس طرح کی حدیثیں ہوسکتی ہیں؟ بلا شبہ ان میں ایک حدیث بھی ولید کی مذمت اوراسے متنبہ کرنے والی نہیں مل سکتی بلکہ اس کے برخلاف یہ وہ حدیثیں ہیں جن کے ذریعہ ولید اور ولید جیسوں کے کرتوتوں پر مہر تصدیق ثبت کی گئی ہے۔

ایک دوسری حدیث زہری کے بارہ میں ہے جو بلا شبہ اس دور سے مربوط ہے جب زہری دربار خلافت سے وابستگی اختیار کرچکا تھا یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج/ ۲ ص/ ۳۶ ۔۱۳۵

"ان الزهری نسب الی رسول اللهﷺ انه قال: لا تشد الرجال الا الی ثلاثة مساجد: المسجد الحرام و مسجد المدینة و المسجد الاقصیٰ و ان الصخرة التی وضع رسول الله قدمه علیها تقوم مقام الکعبة."[1]

یعنی زہری نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت دی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: صاحبان ایمان وتقدس سفر نہیں اختیار کرتے مگر یہ کہ تین مساجد [مسجد حرام، مسجد مدینہ اور مسجد اقصیٰ] کی طرف اور وہ پتھر جس پر مسجد اقصیٰ میں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا قدم (مبارک) رکھا تھا اس (پتھر) کو کعبہ کی منزل حاصل ہے!!

حدیث کا یہی آخری ٹکڑا میری توجہ کا مرکز ہے جس میں مسجد اقصیٰ کے ایک پتھر کو کعبہ کا مقام عطا کرتے ہوئے اس کے لئے اسی شرف واہمیت کا ذکر کیا گیا ہے جو کعبہ کو حاصل ہے۔

یہ حدیث اس زمانے کی ہے جب عبداللہ بن زبیر کعبہ پر مسلط تھے اور جب کبھی لوگوں کے دل میں حج (یا عمرہ) کے لئے جانے کی خواہش ہوتی وہ مجبور تھے کہ مکہ میں [ایک علاقہ جو عبداللہ ابن زبیر کے زیر نفوذ ہے] کچھ روز بسر کریں اور یہ عبداللہ ابن زبیر کے لئے اپنے دشمنوں کے خلاف جن میں عبدالملک ابن مروان کا نام سر فہرست آتا ہے، پروپیگنڈہ کا سنہرہ موقع ہوتا تھا چوں کہ عبدالملک کی کوشش تھی کہ عوام ان پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہونے پائیں لہٰذا وہ ان کا مکہ جانا پسند نہ کرتا تھا چنانچہ اس نے اس کی بہترین اور آسان ترین راہ یہ دیکھی کہ ایک حدیث گڑھی جائے جس کے تحت مسجد اقصیٰ کو شرف ومنزلت میں مکہ اور مدینہ کے برابر قرار دے دیا جائے حتی کہ وہ پتھر جو مسجد اقصیٰ میں ہے کعبہ کے برابر شرف ومنزلت کا حامل ہو! حالانکہ ہم جانتے ہیں اسلامی ثقافت واصطلاح میں، دنیا کا کوئی خطہ کعبہ کی قدر ومنزلت کو نہیں پہنچ سکتا اور دنیا کا کوئی پتھر خانہ کعبہ کے پتھر [حجر اسود] کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ اس اعتبار سے اس حدیث کے گڑھنے کی حاجت اسی لئے پڑی کہ عوام کو خانہ کعبہ نیز مدینہ منورہ کی طرف سامان سفر باندھنے

---

[1] تاریخ یعقوبی ج/۲ ص/۸، نقل از کتاب "دراسات من الصحیح والکافی"

سے منصرف کر کے فلسطین کی طرف جانے پر ابھارا جائے کیونکہ کعبہ کی طرح مدینہ بھی غالباً عبد الملک کے دربار کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کا مرکز رہا ہوگا اس کے برخلاف فلسطین شام کا ہی ایک جزو تھا اور وہاں عبدالملک کو پورا تسلط اور نفوذ حاصل تھا۔ اب یہ جعلی حدیث عوام الناس پر کس حد تک اثر انداز ہوئی اس کو اوراق تاریخ میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا کبھی ایسا اتفاق رونما ہوا کہ لوگ مکہ جانے کے بجائے بیت المقدس کی طرف "صخرہ" کی زیارت کے لئے گئے ہوں یا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا؟ بہر حال اگر کبھی اس طرح کا اتفاق ہوا بھی تو اس کا اصل مجرم یا مجرمین میں سے ایک محمد بن شہاب زہری کو سمجھنا چاہئے جس نے اس طرح کی حدیث وضع کر کے عوام الناس کو ایسے شک وشبہ میں مبتلا کیا جب کہ اس کا مقصد محض عبدالملک بن مروان کے سیاسی مقاصد کو تقویت پہنچانا تھا۔

اب جب کہ محمد بن شہاب زہری دربار خلافت سے وابستہ ہو چکا تھا اس کے لئے امام زین العابدین علیہ السلام یا خاندان علوی سے متعلق تنظیم کے خلاف حدیثیں گڑھنے میں بھلا کیا باک ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مجھے دو حدیثیں سید عبدالحسین شرف الدین مرحوم کی کتاب "اجوبۃ مسائل جار اللہ" میں ملیں جن میں سے ایک روایت میں محمد بن شہاب دعویٰ کرتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام "جبری" تھے! اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استناد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قرآن کی آیت "وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا"۔[1] (انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے) میں "انسان" سے مراد امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔

دوسری روایت میں نقل کرتا ہے کہ سید الشہدا جناب حمزہ نے (معاذ اللہ) شراب پی تھی۔ یہ دونوں روایتیں برسر اقتدار سیاسی ٹولے بنو امیہ اور ان کے سربراہ عبدالملک بن مروان کو ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے مقابلہ میں تقویت وحمایت پہنچانے کے لئے گڑھی گئی ہیں تا کہ اس طرح خاندان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سلسلۃ الذہب کو جو امویوں کے مقابلے میں ہمیشہ ثابت قدم

---

[1] سورۂ کہف: ۵۴

رہا ہے مسلمانوں کی اعلیٰ ترین صف سے خارج کر دیں اور ان کو اس طور پر پیش کریں کہ وہ احکام اسلام سے لگاؤ اور اس پر عمل کے لحاظ سے ایک متوسط درجہ کے قاصر و عاصی انسان یا بالکل ہی عوامی سطح کے حامل بلکہ اس سے بھی گئے گزرے افراد نظر آئیں۔

یہ روایت دربار خلافت سے وابستگی کے دوران محمد بن شہاب زہری کی صورت حال پر بھی روشنی ڈالتی ہے، یقیناً اگر زہری کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو اس کی فکری وسماجی پوزیشن کامل طور پر مشخص ہو سکتی ہے میں یہاں اس کو رجال کی کتابوں کے حوالے کرتا ہوں جن میں اس کے حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

بہر حال! ایک ایسا شخص جو دربار خلافت میں بہت زیادہ تقرب ومنزلت کا حامل ہے اور عوام کے افکار پر بھی پورے جاہ وجلال کے ساتھ مسلط ہے۔ یقیناً اسلامی تحریک کے لئے ایک خطرناک وجود شمار کیا جائے گا اور اس کے سلسلے میں کوئی دنداں شکن پالیسی اختیار کرنا فطری سی بات ہے۔

چنانچہ اس شخص کے مقابلہ میں امام سجاد علیہ السلام نہایت ہی سخت طریقہ کار کا انتخاب کرتے ہیں اور آپ علیہ السلام کی یہ سخت گیری ایک خط میں منعکس نظر آتی ہے البتہ ممکن ہے کوئی فکر کرے کہ بھلا ایک خط کے ذریعہ کس حد تک حضرت علیہ السلام کے طرز عمل کا تعین کیا جا سکتا ہے پھر بھی اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس خط کا لب ولہجہ خود زہری کے سلسلہ میں بھی اور اس طرح برسر اقتدار حکومتی مشینری کے خلاف بھی بہت ہی سخت اور شدید ہے اور یہ خط محمد بن شہاب تک محدود نہیں رہتا، دوسروں کے ہاتھ میں بھی پڑتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایک زبان سے دوسری زبان اور ایک منھ سے دوسرے منھ تک ہوتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دامن تاریخ پہ ثبت ہو کر تاریخ کا ایک جزو بن جاتا ہے اور آج تیرہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی ہم اس خط کے بارے میں بحث کر رہے ہیں [ان امور پہ توجہ کرنے کے بعد] ہم بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خط زہری جیسے نام نہاد علماء کے شیطانی تقدس پر کیسی کاری ضرب وارد کرتا یقیناً اس خط کا اصل مخاطب محمد بن شہاب

زہری ہے لیکن یہ اپنی زد میں اس جیسے تمام ضمیر فروش افراد کو لئے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے جس وقت یہ خط مسلمانوں، خصوصاً اس زمانے کے شیعوں کے ہاتھ آیا ہوگا اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچا ہوگا ان کے درمیان اس قسم کے درباری افراد کے لئے کیسی سخت بے اعتمادی پیدا ہوئی ہوگی۔

اب ہم اس خط کے کچھ حصے نقل کرتے ہیں:

خط کی ابتداء ان الفاظ میں ہوتی ہے:

"كَفَانَا اللّٰهُ وَإِيَّاكَ مِنَ الْفِتَنِ وَرَحِمَكَ مِنَ النَّار" [۱]

خداوند عالم ہمیں اور تمہیں فتنوں سے محفوظ رکھے اور تم پر آتش جہنم سے رحم کرے۔

دوسرے فقرے میں صرف اس کو مورد خطاب قرار دیا ہے کیونکہ فتنوں سے دو چار ہونا سب کے لئے ہے اور ممکن ہے خود امام سجاد علیہ السلام بھی کسی اعتبار سے دو چار ہوں لیکن فتنہ میں غرق ہونا امام سجاد علیہ السلام کے لئے ناممکن ہے اس کے برخلاف زہری فتنہ سے دو چار بلکہ فتنہ میں غرق ہے۔ دوسری طرف آتش جہنم امام سجاد علیہ السلام کے قریب نہیں آسکتی لہٰذا حضرت علیہ السلام اس کی نسبت محمد بن شہاب کی طرف دیتے ہیں خط کا آغاز ہی ایسے لب ولہجہ میں کیا جانا جو نہ صرف مخالفانہ بلکہ تحقیر آمیز بھی ہو زہری کے تئیں حضرت علیہ السلام کے طرز عمل کی خود دلیل ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

فَقَدْ أَصْبَحْتَ بِحَالٍ يَنْبَغِي لِمَنْ عَرَفَكَ بِهَا أَنْ يَرْحَمَكَ. [۲]

تم اس منزل پر کھڑے ہو کہ جو شخص بھی تمہاری حالت کو سمجھ لے وہ تمہارے حال زار پر رحم کرے۔

غور فرمائیے کہ یہ کس شخصیت سے خطاب ہے؟

---

[۱] بحار الانوار (ط۔بیروت) / ج ۷۵ / ۱۳۲ / باب ۲۱ وصایا علی بن الحسین ع ومواعظہ وحکمہ ص:۱۲۸

[۲] بحار الانوار (ط۔بیروت) / ج ۷۵ / ۱۳۲ / باب ۲۱ وصایا علی بن الحسین ع ومواعظہ وحکمہ ... ص:۱۲۸

یہ ایک ایسے شخص سے خطاب ہے جس پر لوگ غبطہ کرتے ہیں جس کا دربار حکومت میں بزرگ علمائے دین میں شمار ہوتا ہے۔ پھر بھی امام علیہ السلام اس کو اس قدر حقیر و ناتواں خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تو اس قابل ہے کہ جو لوگ تجھے اس حال میں دیکھیں، تیرے حال پر رحم کریں۔

اس کے بعد اس کو مختلف الٰہی نعمتوں سے نوازے جانے اور خدا کی جانب سے ہر طرح کی حجتیں تمام ہونے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے امام علیہ السلام کہتے ہیں:

"ان تمام نعمتوں کے باوجود جو تجھے خدا کی جانب سے ملی ہیں کیا تو خدا کے حضور کہہ سکتا ہے کہ کسی طرح تو نے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا؟ یا نہیں"

پھر قرآن کی چند آیتوں کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

خداوند عالم تیرے قصور و گناہ سے ہرگز راضی نہیں ہوسکتا کیونکہ خداوند عالم نے علماء پر فرض کیا ہے کہ وہ حقائق کو عوام الناس کے سامنے بیان کریں اور چشم پوشی حق سے کام نہ لیں:

لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ. [۱]

اس تمہید کے بعد جس وقت امام خط کے اصل مطلب پر آتے ہیں تو محمد بن شہاب کے حق میں خط کا انداز اور بھی سخت ہو جاتا ہے:۔

وَ اعْلَمْ أَنَّ أَدْنَى مَا كَتَمْتَ وَ أَخَفَّ مَا احْتَمَلْتَ أَنْ آنَسْتَ وَحْشَةَ الظَّالِمِ وَ سَهَّلْتَ لَهُ طَرِيقَ الْغَيِّ بِدُنُوِّكَ مِنْهُ حِينَ دَنَوْتَ وَ إِجَابَتِكَ لَهُ حِينَ دُعِيتَ. [۲]

یاد رکھ! وہ معمولی ترین چیز جس کے سلسلہ میں تو نے چشم پوشی سے کام لیا ہے اور وہ سبک ترین بات جو تو نے برداشت کی ہے یہ ہے کہ ظالموں کے لئے جو چیز وحشت ناک تھی اس کو

---

[۱] سورۂ آل عمران: ۱۸۷

[۲] تحف العقول۔ ص: ۲۷۵

تو نے راحت وانسیت کا سامان بنا کر ان کے لئے گمراہی کے راستے مزید ہموار کردیئے۔ اور یہ کام تو نے محض ان کا تقرب حاصل ہوجانے کے لئے کیا چنانچہ انھوں نے تجھ کو جب بھی (کسی امر کی) دعوت دی تو تیار ہوگیا۔

یہاں حضرت علیہ السلام اس کی دربار حکومت وخلافت کے ساتھ قربت ووابستگی کو اس طرح اس کے سامنے پیش کرتے ہیں گویا سر پہ تازیانہ مار رہے ہوں۔:

"إِنَّكَ أَخَذْتَ مَا لَيْسَ لَكَ مِمَّنْ أَعْطَاكَ" [۱]

ان لوگوں سے جو کچھ تجھ کو حاصل ہوا وہ تیرا حق نہ تھا پھر بھی تو نے لے لیا۔

"دَنَوْتَ مِمَّنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَى أَحَدٍ حَقّاً وَلَمْ تَرُدَّ بَاطِلاً حِينَ أَدْنَاكَ" [۲]

اور تو ایک ایسے شخص کے قریب ہوگیا جس نے کسی کا کوئی حق واپس نہ کی (یعنی خلیفہ ستمگر) اور جب اس نے تجھ کو اپنی قربت میں جگہ دی تو تو نے ایک بھی باطل اس سے دور نہ کیا۔ یعنی تو بہانہ نہیں بنا سکتا کہ میں اس لئے قریب ہوا تھا کہ احقاق حق اور ابطال باطل کرسکوں کیونکہ تو جس وقت سے اس کے ساتھ ہے کسی بھی امر باطل کا خاتمہ نہ کرسکا جب کہ اس کا دربار سراسر باطل سے معمور ہے۔

"وَأَحْبَبْتَ مَنْ حَادَّ اللهَ" [۳]

تو نے دشمن خدا کو اپنی دوستی کے لئے منتخب کرلیا۔ اس تہدید نامہ میں امام علیہ السلام کا وہ جملہ جو ذہن کو سب سے زیادہ جھنجھوڑتا ہے یہ ہے کہ امام فرماتے ہیں:۔

"أَوَ لَيْسَ بِدُعَائِهِ إِيَّاكَ حِينَ دَعَاكَ جَعَلُوكَ قُطْباً أَدَارُوا بِكَ رَحَى مَظَالِمِهِمْ وَ جِسْراً يَعْبُرُونَ عَلَيْكَ إِلَى بَلَايَاهُمْ وَ سُلَّماً إِلَى ضَلَالَتِهِمْ دَاعِياً

[۱] تحف العقول۔ص:۲۷۵

[۲] تحف العقول۔ص:۲۷۵

[۳] تحف العقول۔ص:۲۷۵

إِلَى غَيِّهِمْ سَالِكاً سَبِيلَهُمْ يُدْخِلُونَ بِكَ الشَّكَّ عَلَى الْعُلَمَاءِ وَ يَقْتَادُونَ بِكَ قُلُوبَ الْجُهَّالِ إِلَيْهِمْ ".[۱]

آیا ایسا نہیں ہے اور تو نہیں جانتا کہ انھوں نے جب تجھ کو خود سے قریب کر لیا تو تیرے وجود کو ایک ایسا قطب اور محور بنا دیا جس کے گرد مظالم کی چکی گردش کرتی رہے اور تجھ کو ایک ایسا پل قرار دے دیا جس سے ان کی تمام غلط کاریوں کے کاروان عبور کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک ایسی سیڑھی تعمیر کر لی ہے جو انھیں ان کی ذلت و گمراہی تک پہنچنے میں سہارا دیتی ہے تو ان کی گمراہیوں کی طرف دعوت دینے والا اور ان ہی کی راہ پر چلنے والا بن گیا انھوں نے تیرے ذریعہ علماء میں شک و شبہ کی فضا پیدا کر دی اور جاہلوں کے قلوب اپنی جانب جذب کر لئے۔ یعنی تو علما کے اندر یہ شک و شبہ پیدا کرنے کا سبب بنا کہ کیا حرج ہے کہ ہم بھی دربار حکومت سے وابستہ ہو جائیں؟ بلکہ بعض اس دھوکے میں آ بھی گئے (اس کے علاوہ) تو اس بات کا بھی سبب بنا کہ جہلاء بڑے اطمینان کے ساتھ خلفاء کی طرف مائل اور ان میں جذب ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں:

" فَلَمْ يَبْلُغْ أَخَصُّ وُزَرَائِهِمْ وَ لَا أَقْوَى أَعْوَانِهِمْ إِلَّا دُونَ مَا بَلَغْتَ مِنْ إِصْلَاحِ فَسَادِهِمْ ".[۲]

ان کے نزدیک ترین وزراء اور زبردست ترین احباب بھی ان کی اس طرح مدد نہ کر سکے جس طرح تو نے ان کی برائیوں کو عوام کی نظروں میں اچھا بنا کر پیش کر کے مدد کی ہے۔

یہ خط لب و لہجہ کے اعتبار سے نہایت ہی سخت اور مضامین کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اس خط کے ذریعہ سیاسی قدرت و اقتدار اور اجتماعی زمام و اختیار کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی علمی و فکری اقتدار اور زمامداری کی لہر کو ذلیل و رسوا کر دیا اور

---

[۱] تحف العقول۔ ص: ۲۷۵

[۲] تحف العقول۔ ص: ۲۷۵

وہ لوگ جو دربار کے ساتھ روابط استوار کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے ان کی نیندیں اڑ گئیں وہ معاشرہ میں ایک سوال بن کر رہ گئے ایک ایسا سوال جو ہمیشہ کے لئے اسلامی درو دیوار پہ ثبت ہو کر رہ گیا اس وقت کا معاشرہ بھی اس سوال سے دو چار تھا اور تاریخ کے ہر دور میں یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہے گا۔

میری نظر میں یہ امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے اپنی جد جہد محض ایک محدود طبقہ میں علمی و تربیتی تحریک پیدا کرنے تک محدود نہیں رکھی بلکہ سیاسی تحریک تک میں اس پیمانے پر حصہ لیتے رہے ہیں۔ اس میدان میں امام علیہ السلام کی زندگی کا ایک اور رخ بھی ہے جو شعر و شاعری سے مربوط ہے اور انشاء اللہ اس پر آگے بحث ہوگی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آیا یہ عظیم ہستی ارباب خلافت اور ان کی مشینری سے متعرض ہوئی ہے یا نہیں؟

گزشتہ مباحث میں اس موضوع پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی ہے یہاں ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ہم اس پہلو کا جائزہ لینا چاہتے ہیں:

ائمہ علیہم السلام کی تحریک کے تیسرے مرحلہ کے آغاز کی حکمت عملی

جہاں تک امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور میری یادداشت کا سوال ہے مجھے حضرت علیہ السلام کی زندگی میں کوئی ایک موقع بھی ایسا نہ مل سکا جہاں حکومت سے آپ علیہ السلام نے اس طرح سے صریحی طور پر تعرض کیا ہو جیسا کہ دیگر ائمہ علیہم السلام مثلاً بنی امیہ کے دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام یا بعد میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے یہاں نظر آتا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت اور سیاسی تحریک کے وہ چار ادوار جس کے تیسرے مرحلہ کا آغاز امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی سے ہوتا ہے اگر اسی مرحلہ میں خلافت سے تعرض کی تحریک شروع کردی جاتی تو پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ خطروں سے معمور ذمہ داریوں کا یہ کارواں، اہل بیت علیہم السلام جس منزل تک لے جانا چاہتے تھے نہیں پہنچ سکتا تھا وہ گلستان اہلبیت علیہم السلام جس کی تربیت و آبیاری امام سجاد علیہ السلام جیسے ماہرانہ صلاحیت کا حامل باغباں کر رہا تھا، ابھی اتنا زیادہ مستحکم اور پائدار نہیں ہو سکتا تھا اس باغ میں ایسے نورس نونہال بھی موجود تھے جن میں طوفانی جھکڑوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ ہم اس بحث کے آغاز میں اشارہ کر چکے ہیں، امام علیہ السلام کے گرد و پیش اہلبیت علیہم السلام سے محبت و عقیدت رکھنے والے مومنین کی بہت ہی مختصر سی تعداد تھی اور اس زمانے میں ممکن نہیں تھا کہ اس قلیل تعداد کو جس کے

کاندھوں پر شیعی تنظیم کو چلانے کی عظیم ذمہ داری بھی ہے ظالم تھپیڑوں کے حوالے کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتر جانے پر مجبور کر دیں۔

اگر تشبیہ دینا چاہیں تو امام زین العابدین علیہ السلام کے دور کی مکہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے ابتدائی دور سے تشبیہ دی جا سکتی ہے یعنی دعوت اسلام کے وہ چند ابتدائی سال جب علی الاعلان دعوت دینا بھی ممکن نہ تھا۔اسی طرح شاید امام محمد باقر علیہ السلام کے دور کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی تبلیغ کے دوسرے دور اور پھر اس کے ادوار کی دعوت اسلام کے بعد کے ادوار سے تشبیہ غلط نہ ہوگی۔لہٰذا تعرض اور مڈبھیڑ کی حکمت عملی ابھی صحیح طور پر انجام نہ پاتی۔

یقین جانئے اگر وہی تیز و تند حکمت عملی، جو امام صادق علیہ السلام، امام کاظم علیہ السلام اور امام رضا علیہ السلام کے بعض کلمات سے مترشح ہوتی ہے، امام سجاد علیہ السلام بھی اپنا لیتے تو عبد الملک بن مروان جس کا اقتدار پورے اوج پر نظر آتا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ تعلیمات اہلبیت علیہم السلام کی پوری بساط الٹ کر رکھ دیتا اور پھر کام ایک نئے سرے سے شروع کرنا پڑتا اور یہ اقدام عاقلانہ نہ ہوتا۔

اس کے باوجود امام زین العابدین علیہ السلام کے ارشادات و اقوال میں، جو غالباً آپ کی زندگی اور طویل دور امامت کے آخری دنوں سے مربوط ہیں، کہیں کہیں حکومتی مشینری کے ساتھ تعرض و مخالفت کے اشارے بھی مل جاتے ہیں۔[1]

[1] یہاں اشارہ کر دوں کہ اس وقت میری بحث یزید اور خاندان ابوسفیان کی خلافت کے ساتھ امام کے طرز عمل سے نہیں ہے یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر پہلے ہی روشنی ڈال چکا ہوں۔

ائمہ علیہم السلام کی طرف سے مزاحمت کے چند نمونہ

ائمہ علیہم السلام کی تعرض آمیز روش کے جلوے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے جن میں سے ایک شکل تو وہی تھی جو محمد بن شہاب زہری کے نام امام زین العابدین علیہ السلام کے خط میں آپ نے ملاحظہ فرمائی، ایک شکل معمولی دینی مسائل اور اسلامی تعلیمات کے پردے میں اموی خلفاء کی وضع و سرشت اور حقیقت و بنیاد پر روشنی ڈال دینے کی تھی چنانچہ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ أَطْلَقُوا لِلنَّاسِ تَعْلِيمَ الْإِيمَانِ، وَلَمْ يُطْلِقُوا تَعْلِيمَ الشِّرْكِ، لِكَيْ إِذَا حَمَلُوهُمْ عَلَيْهِ لَمْ يَعْرِفُوه" [1]

یعنی بنی امیہ نے لوگوں کے لئے تعلیمات ایمانی کی راہیں کھلی چھوڑ رکھی تھیں، لیکن حقیقت شرک سمجھنے کی راہیں بند کر دی ہیں کیونکہ اگر عوام (مفہوم) شرک سے نابلد رہے تو شرک (کی حقیقت) نہ سمجھ سکیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ بنی امیہ نے علماء اور متدین افراد منجملہ ان کے ائمہ معصومین علیہم السلام کو نماز، روزہ، حج زکوٰۃ نیز دیگر عبادات اور اسی طرح توحید و نبوت سے متعلق بحث و گفتگو کرنے کی چھوٹ دے رکھی تھی کہ وہ ان موارد میں احکام الٰہی بیان کریں لیکن ان کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ شرک کا مفہوم اور اس کے مصادیق نیز اسلامی معاشرے میں موجود اس کے جیسے

---

[1] کافی (ط-دارالحدیث)/ج ۴/ ۱۹۹/ ۱۸۰-باب..... ص:۱۹۹

جاگتے نمونوں کو موضوع بحث وتدریس قرار دیں اس لئے کہ اگر عوام الناس کو شرک سے متعلق ان معارف کا علم ہو گیا، وہ مشرک چہروں کو پہچان لیں گے، وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ بنی امیہ جن اوصاف کے حامل ہیں اور جس کی طرف انھیں گھسیٹ لے جانا چاہتے ہیں، دراصل شرک ہے، وہ فوراً پہچان لیں گے کہ عبد الملک بن مروان اور دیگر خلفائے بنو امیہ طاغوتی ہیں جنھوں نے خدا کے مقابل سر اٹھا رکھا ہے گویا جس شخص نے بھی ان کی اطاعت اختیار کی دراصل اس نے شرک کے مجسموں کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ عوام کے درمیان شرک سے متعلق حقائق و معارف بیان کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔

جب ہم اسلام میں توحید کے موضوع پر بحث کرتے ہیں تو ہماری بحث کا ایک بڑا حصہ شرک اور مشرک کی شناخت سے مربوط ہے۔ بت کسے کہتے ہیں اور کون بت پرست ہے۔

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی ۴۸ ویں جلد میں بڑی اچھی بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں:

"ان ایات الشرك ظاهرها فی الاصنام الظاهرة و باطنها فی خلفاء الجور الذین اشركوا مع ائمة الحق و نصبوا مكانهم"[1]

یعنی قرآن میں شرک کی جو آیتیں بیان کی گئی ہیں بظاہر، ظاہری بتوں سے مربوط ہیں لیکن بباطن اگر تاویل کی جائے تو ان کے مصداق خلفائے جور ہیں جنھوں نے خلافت کے نام پر حکومت اسلامی کے ادعا اور اسلامی معاشرے پر حاکمیت کے حق میں خود کو ائمہ علیہم السلام کا شریک قرار دے لیا، جب کہ ائمۂ حق کے ساتھ یہ شرک خود خدا کے ساتھ شرک ہے کیونکہ ائمہ حق خدا کے نمائندے ہیں ان کے دہن میں خدا کی زبان ہوتی ہے وہ خدا کی باتیں کرتے ہیں اور چوں کہ خلفائے جور نے خود کو ان کی جگہ پر پہنچا کر دعوائے امامت میں ان کا شریک بنا دیا لہٰذا وہ سب طاغوتی بت ہیں اور جو شخص ان کی اطاعت اور تاسی اختیار کرے وہ دراصل مشرک ہو چکا ہے۔

---

[1] مرآۃ العقول فی شرح أخبار آل الرسول/ ج6/ 59/ الحدیث 5..... ص:55

علامہ مجلسی نے اس کے بعد مزید توضیح پیش کی ہے۔ چنانچہ یہ بیان کرتے ہوئے کہ قرآنی آیات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر عصر اور ہر دور میں جاری و ساری ہیں وہ فرماتے ہیں:

"فھو یجری فی اقوام ترکوا طاعة ائمة الحق واتبعوا ائمة الجور" [1]

یہ شرک کی تعبیر، ان قوموں پر بھی صادق آتی ہے جنھوں نے ائمہ حق کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے ائمہ جور سے الحاق اور پیروی اختیار کرلی"

"لعدولھم عن الأدلة العقلية و النقلية و اتباعھم الأھواء و عدولھم عن النصوص الجلية" [2]

کیونکہ ان لوگوں نے ان عقلی ونقلی دلائل سے (جو مثال کے طور پر عبد الملک کی مسلمانوں پر حکومت وخلافت کی نفی کرتی ہیں) عدول اختیار کرلیا اور اپنی ہوا و ہوس کی پیروی شروع کردی۔ روشن وواضح نصوص کو ٹھکرا دیا۔ لوگوں نے دیکھا حکام وقت سے ٹکر لینے کی نسبت یہ زندگی آرام دہ بھی ہے۔ اور ہر طرح کی دردسری سے خالی بھی، لہٰذا اسی راحت طلبی میں لگ گئے اور ائمہ جور کی پیری اختیار کرلی۔ لہٰذا وہ بھی مشرک قرار پاتے ہیں۔

ان حالات میں، اگر ائمہ علیہم السلام شرک کے بارے میں کچھ بیان کرنا چاہیں تو یہ دربار خلافت سے ایک طرح کا تعرض ہوگا اور یہ چیز امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی اور حضرت علیہ السلام کے کلمات میں موجود ہے۔

اس تعرض ومخالفت کا ایک اور نمونہ ہم امام علیہ السلام اور جابر وقدرت مند اموی حاکم عبدالملک کے درمیان ہونے والی بعض خط وکتابت میں مشاہدہ کرتے ہیں جس کے دو روشن

---

[1] مرآة العقول فی شرح أخبار آل الرسول/ ج6/ 60/ الحدیث 5..... ص:55

[2] بحار الانوار (ط- بیروت)/ ج 48 / 97 / باب 4 معجزاته واستجابة دعواته ومعالی أموره وغرائب سأنه صلوات اللہ علیہ..... ص:29

نمونوں کی طرف یہاں اشارہ مقصود ہے۔

ا۔ایک دفعہ عبدالملک بن مروان نے امام سجاد علیہ السلام کو خط لکھا اور اس میں حضرت علیہ السلام کو اپنی ہی آزاد کردہ کنیز کے ساتھ ازدواج کر لینے کے سلسلے میں مورد ملامت قرار دیا۔اصل میں حضرت علیہ السلام کے پاس ایک کنیز تھی جس کو آپ نے پہلے آزاد کر دیا اس کے بعد اسی آزاد شدہ کنیز سے نکاح کر لیا۔عبدالملک نے خط لکھ کر امام علیہ السلام کے اس عمل کو مورد شماتت قرار دیا۔ظاہر ہے امام علیہ السلام کا عمل نہ صرف انسانی بلکہ ہر اعتبار سے اسلامی تھا کیونکہ ایک کنیز کو کنیزی اور غلامی کی زنجیر سے آزادی دینا اور پھر عزت وشرافت کا تاج پہنا کر اسی کنیز کو رشتہ ازدواج سے منسلک کر لینا یقیناً انسانیت کا اعلیٰ شاہکار ہے۔

اگر چہ عبدالملک کے خط لکھنے کا مقصد کچھ اور ہی تھا، وہ امام کے اس مستحسن عمل کو تنقید کا نشانہ بنا کر حضرت علیہ السلام کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ ہم آپ کے داخلی مسائل سے بھی آگاہی رکھتے ہیں گویا اس کے ضمن میں اصل مقصد حضرت علیہ السلام کو ذاتی سرگرمیوں کے سلسلے میں متنبہ کرنا تھا۔ امام سجاد علیہ السلام جواب میں ایک خط تحریر فرماتے ہیں جس میں مقدمہ کے طور پر لکھتے ہیں: یہ عمل کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں قرار دیا جاسکتا بزرگوں نے بھی اس طرح کا عمل انجام دیا ہے حتیٰ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بھی اسی طرح کا عمل ملتا ہے چنانچہ اس سلسلے میں میرے لئے کوئی ملامت نہیں ہے۔

فَلَا لُؤْمَ عَلَى امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِنَّمَا اللُّؤْمُ لُؤْمُ الْجَاهِلِيَّة.[1]

یعنی ایک مسلمان کے لئے کسی طرح کی ذلت وخواری نہیں پائی جاتی ہاں ذلت وپستی تو وہی جہالت کی ذلت وپستی ہے۔

عبدالملک کے لئے اس جملہ میں بڑا ہی لطیف طنز اور نصیحت مضمر ہے کتنے حسین انداز میں اسے اس کے آباءواجداد کی حقیقت کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے کہ یہ تم ہو جس کا خاندان جاہل

---

[1] الکافی (ط-الإسلامية) / ج5 / 345 / باب آخر منه..... ص: 344

ومشرک اور دشمن خدا رہا ہے اور جن کے صفات تم کو وراثت میں حاصل ہوئے ہیں!!! اگر شرم ہی کی بات ہے تو تم کو اپنی حقیقت پر شرم کرنی چاہیئے میں نے تو ایک مسلمان عورت سے شادی کی ہے اس میں شرم کی کیا بات ہے؟

جس وقت یہ خط عبد الملک کے پاس پہنچا، سلیمان عبد الملک کا دوسرا بیٹا، باپ کے پاس موجود تھا، خط پڑھا گیا تو اس نے بھی سنا اور امام علیہ السلام کی طنز آمیز نصیحت کو باپ کی طرح اس نے بھی محسوس کیا۔ وہ باپ سے مخاطب ہوا اور کہا: اے امیر المومنین دیکھا، علی ابن الحسین علیہما السلام نے آپ پر کس طرح مفاخرت کا اظہار کیا ہے؟ وہ اس خط میں آپ کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا تو تمام مومن باللہ رہے ہیں اور تیرے باپ دادا کافر ومشرک رہے ہیں۔ وہ باپ کو بھڑکانا چاہتا تھا تاکہ اس خط کے سلسلے میں عبد الملک کوئی سخت اقدام کرے لیکن عبد الملک بیٹے سے زیادہ سمجھ دار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نازک مسئلہ میں امام سجاد علیہ السلام سے الجھنا درست نہیں ہے لہٰذا اس نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا: میرے بیٹے: کچھ نہ کہو، تم نہیں جانتے یہ بنی ہاشم کی زبان ہے جو پتھروں میں شگاف پیدا کر دیتی ہے، یعنی ان کا استدلال ہمیشہ قوی اور لہجہ سخت ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا نمونہ امام علیہ السلام کا ایک دوسرا خط ہے جو عبد الملک کی ایک فرمائش رد کرنے کی بنا پر عبد الملک کی جانب سے تہدید وفہمائش کے جواب میں آپ علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ واقعہ کچھ یوں پیش آتا ہے۔

عبد الملک کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار امام سجاد علیہ السلام کی تحویل میں ہے اور یہ ایک قابل توجہ چیز تھی کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار اور فخر کا ذریعہ تھی، اور اب اس کا امام سجاد علیہ السلام کی تحویل میں چھوڑ دینا عبد الملک کے لئے خطرناک تھا کیونکہ وہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ لہٰذا اس نے جو خط امام سجاد علیہ السلام کو لکھا اس میں درخواست کی کہ حضرت تلوار اس کے لئے بھیج دیں اور ذیل میں یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ اگر آپ علیہ السلام کو کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں آپ کا کام ہو جائے گا مطلب یہ تھا آپ کے اس ہبہ کا عوض میں دینے کو تیار ہوں۔

امام علیہ السلام کا جواب انکار میں تھا لہٰذا دوبارہ اس نے ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ اگر تلوار نہ بھیجی تو میں بیت المال سے آپ کا وظیفہ بند کردوں گا۔ [۱]

امام اس دھمکی کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اما بعد، خداوند عالم نے ذمہ داری لی ہے کہ وہ اپنے پرہیز گار بندوں کو جو چیز انھیں ناگوار ہے اس سے نجات عطا کرے گا اور جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکیں ایسی جگہ سے روزی بخشے گا اور قرآن میں ارشاد فرمادیا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ" [۲]

"یقیناً خدا کسی ناشکرے خیانت کار کو دوست نہیں رکھتا۔"

اب دیکھو ہم دونوں میں سے کس پر یہ آیت منطبق ہوتی ہے۔

ایک خلیفۂ وقت کے مقابل میں یہ لہجہ بہت زیادہ سخت تھا، کیونکہ یہ خط جس کسی کے ہاتھ لگا وہ خود فیصلہ کرلے گا کہ امام اولاً: خود کو خائن اور ناشکرا نہیں سمجھتے، ثانیاً: کوئی دوسرا شخص بھی اس عظیم ہستی کے بارے میں ایسا رکیک تصور نہیں رکھتا، کیونکہ حضرت کا خاندان نبوت کے منتخب اور شائستہ ترین عظیم شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا اور ہرگز اس آیت کے مستحق نہیں قرار دیئے جاسکتے تھے چنانچہ امام سجاد علیہ السلام کی نظر میں عبدالملک خائن اور ناشکرا ہے۔

دیکھئے! کس شدید انداز میں امام سجاد علیہ السلام عبدالملک کی دھمکی کا جواب دیتے ہیں اس سے حضرت علیہ السلام کے فیصلہ کن عمل کی حدود کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بہرحال یہ اموی سرکار کی نسبت امام کے مزاحمت آمیز طرز عمل کے دو روشن نمونے تھے۔

۳۔ اگر اس میں کسی دوسرے نمونے کا اور اضافہ کرنا چاہیں تو یہاں وہ اشعار پیش کئے

---

[۱] یہ وہ زمانہ تھا جب تمام لوگوں کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا اور امام علیہ السلام بھی تمام افراد کی طرح معین وظیفہ لیتے تھے۔

[۲] سورۂ حج: ۳۸

جا سکتے ہیں جو خود امام زین العابدین علیہ السلام سے یا آپ علیہ السلام کے دوستوں سے نقل ہوئے ہیں یہ بھی اپنی مخالفت کے اظہار کا ایک انداز ہے کیونکہ اگر ہم یہ مان کر چلیں کہ خود حضرت علیہ السلام نے کوئی اعتراض نہیں کیا تو بھی آپ کے قریبی افراد معترض رہے ہیں اور یہ خود ایک طرح سے امام کی مزاحمت میں شمار کیا جائے گا۔

فرزدق اور یحییٰ کے اعتراضات

اگر چہ حضرت علیہ السلام کے اشعار فی الحال میں کہیں پیدا نہیں کر سکا ہوں پھر بھی حضرت علیہ السلام کے اشعار کا ہونا قطعی ہے۔ چند شعر حضرت علیہ السلام کے ہیں جو بہت ہی تلخ اور انقلابی ہیں۔فرزدق کے اشعار بھی ایک دوسرا نمونہ ہیں۔فرزدق کے واقعہ کو مورخین و محدثین دونوں نے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

ہشام، عبدالملک کا بیٹا، اپنے دور خلافت سے قبل مکہ گیا، طواف کے دوران حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا، کیونکہ طواف میں حجر اسود کا بوسہ مستحب ہے حجر اسود کے قریب مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ہزار کوشش کے باوجود خود کو حجر اسود کے قریب نہ پہنچا سکا حالانکہ وہ خلیفہ وقت کا فرزند، ولی عہد، رفیقوں اور محافظوں کے ایک پورے دستے کے ہمراہ حکومتی انتظام کے ساتھ آیا تھا۔ پھر بھی لوگوں نے اس کی حیثیت اور شاہی کروفر کی پرواہ کئے بغیر اس کو دھکوں میں لے لیا۔ یہ ناز و نعم کا پروردہ ان افراد سے تو تھا نہیں کہ انسانوں کے ہجوم میں دھکے کھاتا ہوا حجر اسود کو بوسہ دے۔ چنانچہ حجر اسود کے بوسہ سے مایوس ہو کر مسجد الحرام کی ایک بلندی پر پہنچ گیا اور وہیں بیٹھ کر مجمع کا تماشہ کرنے کی ٹھہری۔ اس کے اردگرد بھی کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی درمیان ایک شخص، وقار و متانت کا مرقع ملکوتی زہد و ورع کے ساتھ طواف کرنے والوں کے درمیان ظاہر ہوا اور حجر اسود کی طرف قدم بڑھایا مجمع نے فطری طور پر اس کو راستہ دے دیا اور کسی قسم کی زحمت کے بغیر اس نے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کا بوسہ لیا اور پھر واپس ہو کر طواف میں مشغول ہو گیا۔

یہ منظر ہشام بن عبدالملک کے لئے نہایت ہی سخت تھا، وہ خلیفہ وقت کا فرزند ارجمند!! اور کوئی اس کے احترام وارجمندی کا قائل نہیں ہے! اس کو مجمع کے مکّے اور لات سہ کر واپس ہونا پڑ جاتا ہے۔ بوسہ کرنے کے لئے اس کو راہ نہیں ملتی! دوسری طرف ایک شخص آتا ہے جو بڑے سکون واطمینان کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ کر لیتا ہے۔ آتش حسد سے لال ہو کر سوال کر بیٹھتا ہے، یہ کون شخص ہے؟ اردگرد بیٹھے ہوئے افراد حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام کو اچھی طرح پہچانتے ہیں لیکن صرف اس لئے خاموش ہیں کہ کہیں ہشام ان کی طرف سے مشتبہ نہ ہو جائے کیونکہ ہشام کے خاندان کے ساتھ امام سجاد علیہ السلام کے خاندان کا اختلاف کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا، ہمیشہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان اختلاف کی آگ روشن رہی ہے۔ وہ یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ یہ شخص تیرے دشمن خاندان کا قائد ہے، جس کے لئے لوگ اس قدر عقیدت واحترام کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے یہ بات ایک طرح سے ہشام کی اہانت میں شمار ہوتی۔

مشہور شاعر فرزدق جو اہلبیت علیہم السلام سے خلوص ومحبت رکھتا تھا وہیں موجود تھا، اس نے جب محسوس کیا کہ لوگ تجاہل سے کام لے رہے ہیں اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم علی ابن الحسین علیہ السلام کو نہیں پہچانتے، آگے بڑھا اور آواز دی: اے امیر! اگر اجازت دے تو میں اس شخص کا تعارف کرادوں؟

ہشام نے کہا: ہاں ہاں بتاؤ کون ہے؟

اس وقت فرزدق نے وہیں ایک برجستہ قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا جو شعرائے اہلبیت علیہم السلام کے معروف ترین قصیدوں سے ہے اور شروع سے آخر تک امام زین العابدین علیہ السلام کی شاندار مدح سے معمور ہے مطلع یوں شروع ہوتا ہے:

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته

و البيت يعرفه و الحلّ و الحرم

اگر تم اس کو نہیں پہچانتے ہو (تو نہ پہچانو) یہ وہ ہے کہ سرزمین بطحیٰ اس کے قدموں کے

نشان پہچانتی ہے یہ وہ شخص ہے کہ حل وحرم اس کو پہچانتے ہیں۔

اور پھر یہ وہ ہے، زمزم وصفا جس کو پہچانتے ہیں یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہے یہ بہترین انسان کا فرزند ہے مدح کے موتی لٹانے پر آیا تو ایک قصیدۂ غرار میں اس طرح امام سجاد علیہ السلام کے خصوصیات کا ذکر کرنا شروع کردیا کہ ہر ہر مصرع ہشام کے سینے میں خنجر کی طرح چھبتا چلا گیا۔ اوراس کے بعد ہشام کے غضب کا نشانہ بھی بننا پڑا، ہشام نے بزم سے نکال باہر کیا لیکن امام سجاد علیہ السلام نے اس کے لئے انعام کی تھیلی روانہ کی جس کو فرزدق نے اس معذرت کے ساتھ واپس کردیا کہ: میں نے یہ اشعار خدا کی خوشنودی کے لئے کہے ہیں، آپ علیہ السلام سے پیسہ لینا نہیں چاہتا۔

اس طرح کے انداز مزاحمت، امام کے اصحاب کے یہاں مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں جس کا ایک اور نمونہ یحیٰ بن ام الطویل کا طرز عمل ہے۔ البتہ یہ ذکر شعروشاعری کے ضمن میں نہیں آتا۔

یحیٰ بن ام الطویل بیت سے وابستہ نہایت ہی مخلص اور شجاع جوانوں میں سے ہے جس کا معمول یہ ہے کہ وہ کوفہ جاتا ہے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور آواز دیتا ہے: اے لوگو (مخاطب حکومت بنی امیہ کے آگے پیچھے بھاگنے والے افراد ہیں) ہم تمہارے (اور تمہارے آقاؤں کے) منکر ہیں جب تک تم لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے، ہم تم کو قبول نہیں کرتے۔ اس گفتگو سے ایسا لگتا ہے کہ وہ لوگوں کو مشرک سمجھتا ہے اور ان کو کافر ومشرک کے الفاظ سے خطاب کرتا ہے۔

بنی امیہ سرکار کا امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ تعرض

یہ امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔البتہ یہاں پھر اشارہ کردوں کہ امام اپنے ۳۴ برس کے طویل دورامامت میں،ارباب حکومت کے ساتھ کھل کر کبھی کوئی تعرض اورمخالفت نہ کی پھربھی اپنی امامت کے اس عظیم دسترخوان کو وسیع سے وسیع تر کرتے رہے اورتعلیم وتربیت کی ایمانی غذاؤں سے بہت سے مومن ومخلص افراد پیدا کئے دعوت اہلبیت علیہم السلام کووسعت حاصل ہوتی رہی اوریہی وہ چیزتھی جس کی وجہ سے اموی سرکار حضرت علیہ السلام کے سلسلے میں بدبین وفکرمندرہنےلگی یہاں تک کہ حضرت علیہ السلام کی راہ میں رکاوٹ اورروک ٹوک بھی کی گئی اورکم ازکم ایک مرتبہ حضرت علیہ السلام کوطوق وزنجیرمیں کس کرمدینہ سےشام بھی لے جایا گیا۔

واقعہ کربلا میں امام زین العابدین علیہ السلام کا طوق وزنجیرمیں جکڑکرشام لے جایا جانا مشہورہےلیکن کربلا کی اسیری میں اگرحضرت علیہ السلام کا گلوئے مبارک نہ بھی جکڑا گیا ہوتوبھی اس موقع پر یہ بات یقینی ہےیعنی حضرت علیہ السلام کومدینہ سےاونٹ پرسوارکیا گیااورطوق وزنجیرمیں جکڑ کرشام لے جایا گیا۔اس کے علاوہ بھی کئی دوسرے موارد پیش آئے جب آپ علیہ السلام کومخالفین کی طرف سے آزاروشکنجے کا سامنا کرنا پڑااورآخرکارولیدبن عبدالملک (ملعون خدااس کوواصل جہنم کرے) کے دورخلافت ۹۵ھ میں خلافت بنی امیہ کےسرکاری کارگزاروں کے ہاتھوں زہر دےکرشہیدکردیا گیا۔